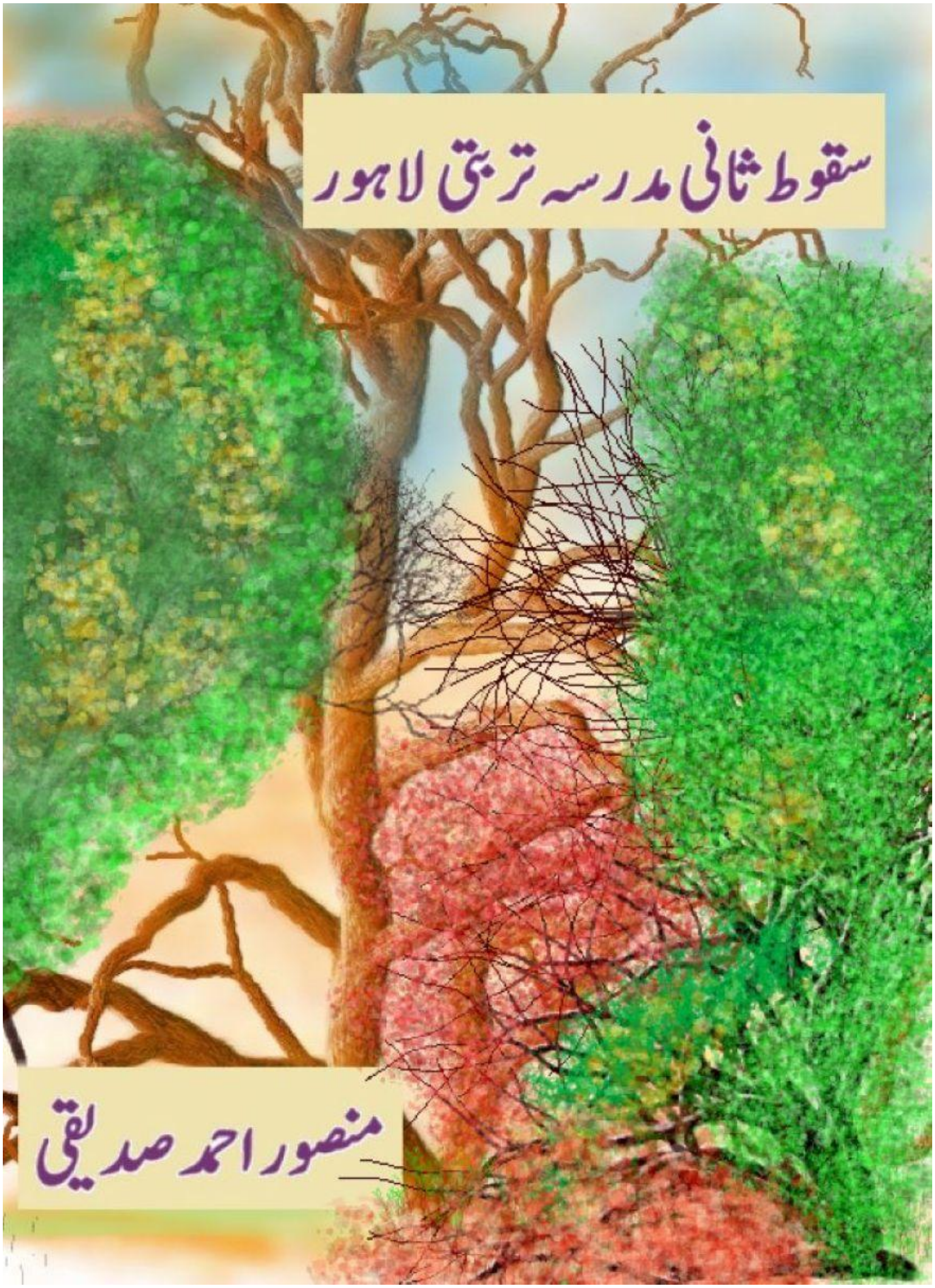
سقوط ثانی مدرسہ تربتی لاہور
منصور احمد صدیقی

موضوع: تحقیق الانساب واسماء الرجال، تاریخ اسلام، تاریخ لاہور، اسلامی مدرسہ، علماء و صوفیاء لاہور، لاہور کا صدیقی خاندان،

# سقوط ثانی مدرسہ ترہتی لاہور

## (واقع ویٹ مین روڈ- مغل پورہ - لاہور)

تحقیق و تالیف

**منصور احمد صدیقی**

**مکتبہ صحاف**

راولپنڈی کینٹ

نام کتاب: سقوط ثانی مدرسہ تربتی لاہور

تحقیق و تصنیف: منصور احمد صدیقی

ناشر : مکتبہ صحاف – راولپنڈی کینٹ

گرافک: صحاف گرافکس –راولپنڈی

طبع اول : جون 2025

تعداد : 500

قیمت : 1500 روپیہ

Email: mans.cliff@gmail.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| مقدمہ | 9 |
| سقوط ثانی مدرسہ ابوالحسن تربتی | 16 |
| نقوش لاہور نمبر سے اقتباس | 19 |
| معارف اعظم گڑھ کے مضمون کا حوالہ | 27-20 |
| تحقیقات چشتی کتاب کا حوالہ | 28 |
| احاطہ قاری حامدؒ میں صدیقی خاندان کی قبور | 30 |
| تفصیلات قبور خاندان محمد بخش صحافؒ و حافظ رحمت اللہؒ | 31 |
| لاہور کے اولیائے سہروردکتاب سے اقتباس | 34 |
| تذکرہ علمائے اہل سنت الجماعت کتاب سے اقتباس | 39 |
| مدینۃ الاولیاء کتاب سے اقتباس | 40 |
| شیخ حامد قاریؒ | 41 |
| مدرسہ ابوالحسن تربتی اہم معلومات | 42 |
| احوال مدرسہ بمطابق کتاب تحقیقات چشتی | 44 |
| مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدینؒ | 48 |
| حافظ جان محمدؒ | 50 |
| حافظ رحمت اللہؒ | 53 |
| ملک الصحاف حافظ محمد بخش صحافؒ | 55 |
| حافظ محمد بخش صحافؒ کی اولاد | 59 |
| ملک الصحاف کا خطاب اور مکتبہ صحافی | 59 |
| مولوی حافظ بخش بن محمد بخش صحافؒ | 60 |

| | |
|---|---|
| مولوی فیض بخش بن مولوی حافظ بخش | 61 |
| مولوی احمد بخش یکدل ؒ | 62 |
| مولوی نور احمد چشتی ؒ | 66 |
| چشتی خاندان | 62 |
| تصاویر: | |
| مدرسہ ابو الحسن تربتی، شیخ قاری حامد ؒ | 67 |
| شہید کی گئی قبور کی تصاویر | 71 |
| قبر حافظ رحمت اللہ ؒ | 74 |
| قبرستان کے دیگر حصوں کی تصاویر | 79-75 |
| قدیم مسجد کی تصاویر | 80 |
| مدرسہ و قبرستان کی قدیم بلیک اینڈ وائٹ تصاویر | 91-84 |
| 2014ء کی تصاویر | 92 |
| مقبرہ ابو الحسن تربتی - معارف اعظم گڑھ | 100-94 |
| سرورق لاہور گائیڈ | 101 |
| صفحات تاریخ جلیلہ | 103-102 |
| صفحات تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت | 106-104 |
| صفحات تذکرہ العلماء والمشائخ | 110-107 |
| صفحات کتاب لاہور کے اولیاء سہروردی | 117-111 |
| صفحات کتاب مدینۃ اولیاء | 123-118 |
| صفحات کتاب تحقیقات چشتی | 128-124 |
| صفحات کتاب بزرگان لاہور | 128 |
| صفحات کتاب اکتابات الاثریہ عمائر مدینہ لاہور | 131 |
| صفحات کتاب لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات | 140-133 |

| | |
|---|---|
| صفحات نقوش لاہور نمبر | 148-141 |
| ہفت روزہ تصویر پاکستان لاہور | 152-149 |
| صفحات کتاب یادگار چشتی | 161-153 |
| صفحات کتاب یادگار صدیقی | 163-162 |
| شجرہ ہائے طیبہ صدیقی خاندان | 170-164 |
| شجرہ ہائے طیبہ چشتی خاندان | 173-171 |
| شجرہ ہائے طیبہ مفتی خاندان | 174 |
| لاہور کے بعض حکمرانوں اور عمائدین کا تذکرہ | 175 |
| مغل حکمران | 175 |
| حاکمان لاہور | 176 |
| نواب عبدالصمد خان، نواب ذکریا خان | 176 |
| نواب یحیٰی خان | 177 |
| میر منو | 177 |
| بعد کے ادوار میں حاکمان لاہور | 178 |
| سکھ حکمران ،رنجیت سنگھ | 178 |
| امیر افغانستان شاہ دوست محمد | 180 |
| نواب غازی خان | 181 |
| خواجہ خاوند محمود ایشانؒ | 181 |
| سرہنری لارنس | 185 |
| لاہور میں سرزد ہونے والے اہم واقعات | 185 |
| بندہ بیراگی کا فتنہ | 186 |
| خواجہ سعد رفیق کے نام پیٹیشن | 188 |
| کتابیات | 195 |

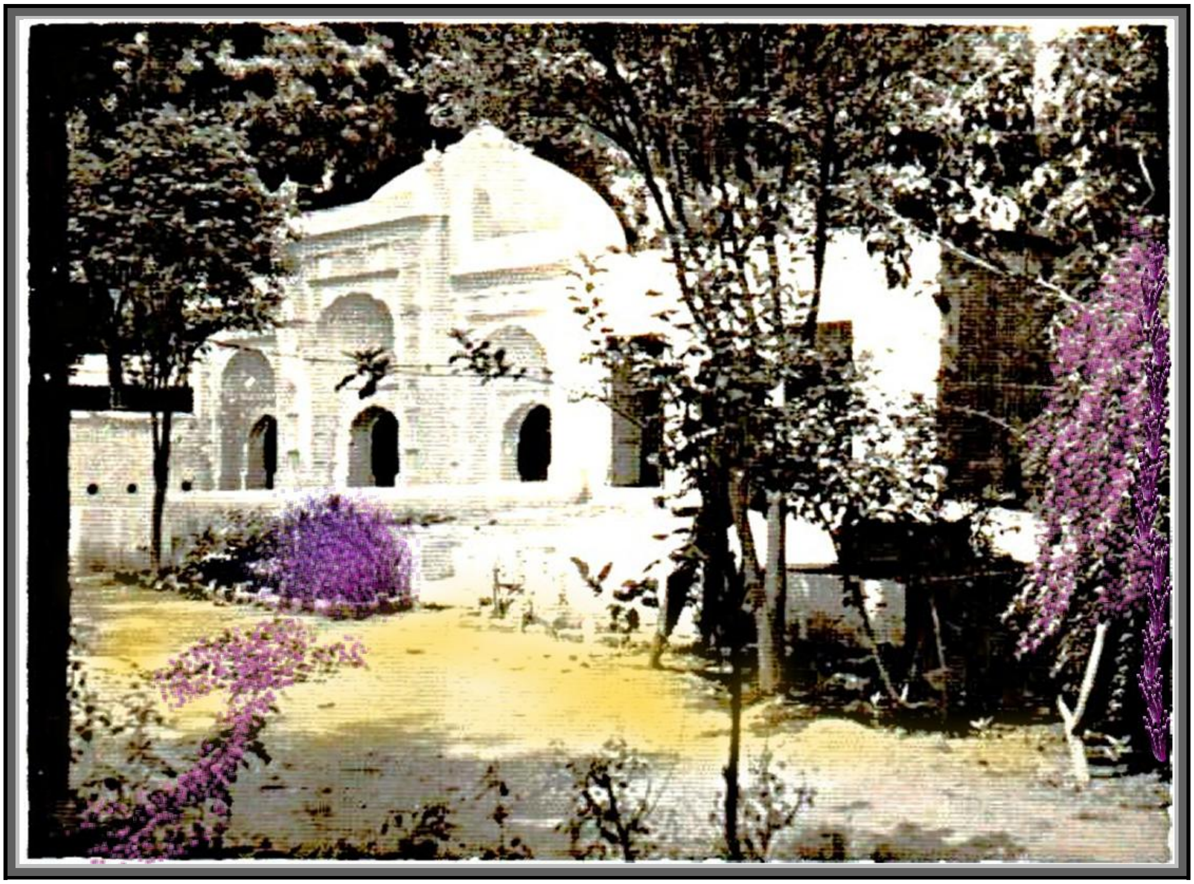

مدرسہ ابوالحسن تربتی یا شیخ قاری حامد ؒ میں واقع قدیم مسجد پر قبضہ کرلیاگیا اور قبضہ مستحکم کرنے کیلئے ایک سیاسی پارٹی کے امام کو تعینات کر دیا گیا ہے اس مسجد کو 1141ھ /1728ء میں تعمیر کیا گیا- واقع ویٹ مین روڈ، مغل پورہ، لاہور، پاکستان-

# مقدمہ

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه، وَرَسُوْلُہ

اللهم صلِّ وسلم وبارك على نبينا محمّد وعلى آله وصحبه أجمعين -

اللہ تعالی کا بہت کرم اور احسان ہے کہ یہ میری دسویں کتاب مکمل ہوئی- اس سے پہلے دو کتابوں' انساب صدیقی' اور' یادگار صدیقی' میں کافی تفصیلات لکھ چکا ہوں-لیکن اس کتاب کے لکھنے کا فوری سبب اس قدیم اسلامی آثار پر مافیا کا قبضہ، توڑ پھوڑ، قبروں کی بے حرمتی اور قبروں پر ایک مزار کی تعمیر تھی، جسے بعض لوگ آمدن کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، یہ ضروری تھا کہ علماء کے ورثہ، اور تاریخ کے سب سے بڑے مدرسے جسکی سرپرستی مغل سلاطین اور لاہور کے حکمران کرتے رہے تھے- اسکا تعلق نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ پاکستان اور لاہور کی تاریخ سے بھی تھا، قدیم اور مشہور کتابوں میں اس سے منسلک جن مشاہیر کا تذکرہ لکھا گیا ہے اسے عوام کے سامنے لایا جائے-

ایک اہم بات یہ ہے کہ سکھ دور میں لاہور کے اسلامی مدرسوں، مکتبوں، عمارتوں اور مقبروں کو جس طرح تباہ وبرباد کیا گیا اس کے بعد گنتی کے چند آثار میں سے یہ مدرسہ ان باقیات میں سے تھا، جسے سکھ عہد کے بعد انگریزی عہد میں تحفظ دے دیا گیا تھا-اس کے گرد چار دیواری بنا کر محفوظ کر دیا گیا تھا- جب کہ انگریزی عہد کے محکمہ آثار قدیمہ کے بس سے باہر تھا کہ سکھ عہد میں پہونچنے والے نقصانات سے عہدہ برآ ہوسکے، بلڈنگیں، قبہ اور چھتیں گر چکی تھیں، ماربل اور پتھر اتار لئے گئے تھے، اور آہستہ آہستہ اینٹیں فروخت کرنے والوں نے تمام آثار کو مٹادیا -

مغل پورہ لاہور میں سے گزرنے والی جی ٹی روڈ نے اسے دو حصوں میں بانٹ دیا تھا، اس کے شمالی سمت انجینیرنگ یونیورسٹی، بیگم پورہ، صوبہ داران لاہور کے آثار، حضرت ایشان ؒ اور دیگر باقیات شامل تھیں، اور آگے جا کر شالیمار باغ واقع ہے، جن کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ مافیا قابض ہوچکی ہے- جبکہ جی ٹی روڈ لاہور کے جنوبی حصہ میں وسیع و عریض رقبہ پر ریلوے ورکشاپس قائم کی گئیں، جن میں لوکو ورکشاپ، کیرج ورکشاپ، پاورہاؤس، ڈیزائن آفس، ریلوے سٹور اور ریلوے ورکشاپ کے دفاتر قائم ہوئے- انگریز حکومت نے ریلوے کی حدود کے گرد چار دیواریاں بنا

دیں اور کوئی اس میں داخل نہیں ہوسکتا تھا- اس کی وسعت اور ریلوے ملازمین کی تعداد ہزاروں میں تھی، حتی کہ امرتسر اور لاہور کے نواحی علاقوں سے ورکرز کو لانے کیلئے بابو ٹرین چلا کرتی تھیں- اسی سمت جو اسلامی آثار سلامت رہ گئے تھے ان میں ویٹ مین روڈ ہے جو ریلوے ورکشاپ روڈ سے شمال کی سمت جی ٹی روڈ سے ملتی ہے - اس پر فقط مدرسہ تربتی کی باقیات یا شیخ قاری حامد ؒ باقی رہ گئی تھیں اور اس سے متصل مردان علی خان کا مقبرہ باقی بچ گیا تھا ورنہ مغل پورہ کے تمام اسلامی آثار یا تو ریلوے ورکشاپوں کی زد میں آ گئے یا ایک آدھ تک رسائی نہیں ہے-

جی ٹی روڈ پر شالیمار باغ سے عین جنوبی سمت جانے والی شالیمار لنک روڈ کی مشرقی سمت ریلوے سٹیل ملز، سینما، بازار اور رہائشی مکانات بن گئے ہیں، یہ سڑک آگے نہر سے مل جاتی ہے- جبکہ شالیمار لنک روڈ کی مغربی سمت سے شروع ہو کر ویٹ مین روڈ تک کے علاقہ میں سینما، ریلوے ورکرز کے کوارٹرز، ریلوے اپرنٹس ٹریننگ سینٹر، پرائیویٹ مکانات، قبرستان، مغل پورہ تھانہ وغیرہ شامل ہیں- اس دوران جس کے ہاتھ جو جگہ لگی ان پر مولویوں نے قابض ہو کر مسجدیں بنالی ہیں یا اہل تصوف نے مزار بنالئے ہیں- البتہ انگریز عہد میں مقبرہ حضرت ایشان ؒ واقع انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے لیکر جی ٹی روڈ پر واقع اکثر مزارات کی تولیت ہمارے خاندان کے افراد کے پاس تھی -

حضرت ایشان ؒ کے بیٹے خواجہ احد ؒ نے خود آکر مدرسہ اور مزار کی تولیت ہمارے خاندان کے بزرگوں کو دی تھی، اسکے علاوہ سب مشہور بزرگان دین کے آثار کی دیکھ بھال ان کے ذمہ تھی- یہ سب تفصیل تاریخ اور تصوف کی مشہور کتابوں میں تحریر ہے، ہمارے خاندان کے ہاتھوں سے نکل کر یہ سب آثار پیشہ ور لوگوں کے ہاتھوں میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ نہ یہ چندے وصول کرتے تھے، نہ پیری مریدی کے سلسلہ چلائے تھے، نہ ہی مزاروں کی تعمیر و مرمت اس غرض سے کی تھی کہ پشتوں کی روٹیاں بن جائیں- جو بھی سجادہ نشین تھے وہ اپنا رزق حلال کماتے تھے بلکہ جیب سے مرمت و تعمیر کرتے تھے تمام امور شریعت کے مطابق کئے جاتے تھے- مدرسہ تربتی میں بھی تمام قبور عین شریعت کے مطابق بنائی گئیں تھیں اور کبھی وہاں مزار تعمیر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی- آئندہ صفحات پر لگائی گئی تصویروں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے قائم ان آثار کی حفاظت اور دیکھ بھال کس محنت سے کی گئی تھی، درخت، پھولوں کے پودے، سفیدی اور صفائی وستھرائی اس درجہ کی گئی تھی کہ قبضہ مافیا کے منہ میں پانی بھر آتا تھا-

اس تمہید کا مقصد آپ کو یہ بتانا تھا کہ مغل پورہ میں جو آثار دفن ہو گئے انکو بر آمد کرنا اب ناممکن ہے، بلکہ اب نور احمد چشتی اور مفتی علی الدین کے پایہ کے وہ تاریخ نویس بھی نہیں جو چپہ چپہ چھان کر تاریخ بیان کریں اور آثار کی نشاندہی کر سکیں- زیادہ سے زیادہ صوفیاء کے تذکرے لکھے جاتے ہیں جن میں کوئی ریسرچ شامل نہیں ہوتی- بلکہ تحقیقات چشتی ہی ان کا ماخذ ہوتا ہے-

مدرسہ ابوالحسن تربتی لاہور کا سب سے بڑا مدرسہ تھا جس کا قیام 1051ھ (1651ء) میں عمل میں آیا اور اس میں قائم مسجد 1114 ھ (1702ء) میں تعمیر ہوئی- اس مدرسہ میں دینی علوم کے ساتھ مروجہ علوم بھی پڑہائے جاتے تھے - اسی مدرسہ سے ملحق طلباء اور اساتذہ کی رہائش کا بندوبست بھی تھا- مغل دور حکومت اور لاہور کے گورنر اس کی سرپرستی فرماتے تھے-

1658ء میں سلطان نور الدین جہانگیر کے عہد کا خاتمہ ہوا اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر کا عہد شروع ہوتا ہے- جب اسلامی حکومت کا پنجاب میں زوال آیا تو سکھوں نے امن و سکون تاراج کیا اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا- عمارات کو اصطبل، بارود خانوں، فوجی بیرکوں یا فوجی افسروں کی رہائش کے لئے استعمال کیا جانے لگا- محلات، مدرسے، مقابر برباد کر دئے گئے اور بلند و بالا عمارات کے قیمتی پتھر، سنگ مرمر اتار لئے گئے بلکہ اینٹیں تک نکال لی گئیں ۔

مدرسہ ابوالحسن تربتی کا سقوط اول سکھ دور میں ہوا جب بارود کے دھماکے سے اس کی تمام بلڈنگ اڑ گئی۔
اسی مدرسہ کے ایک باغ میں اسکے صدر مدرس حضرت قاری حامدؒ جن کی وفات 1166ھ (1753ء) میں ہوئی اور انکے پیش رو حضرت حافظ جان محمدؒ جن کی وفات سن 1199ھ بمطابق 1784ء میں ہوئی اور قاری حامدؒ کی وفات کے بعد 33 سال تک صدر مدرس رہے انکی قبور تھیں ۔ مسجد آج بھی موجود ہے ۔

1908ء میں ریلوے ورکشاپس کی تعمیر ہوئی اور انگریز عہد میں ہی اسکے احاطہ کے چاروں طرف دیواریں بنا کر ریلوے حدود سے جدا کیا گیا ۔ مغل پورہ لاہور میں ویٹ مین روڈ سے مغربی سمت اندر جانے کے راستہ پر آہنی دروازہ ہے اور راستہ کی چھت کو مدرسہ تک آہنی جنگلوں سے محفوظ بنایا گیا -

یہی راستہ علی مردان خان کے مقبرہ کی طرف جاتا ہے- اور اسی آہنی جنگلوں سے آراستہ راستہ کی جنوبی سمت آہنی گیٹ لگا ہوا ہے، جس میں حضرت قاری حامدؒ کی قبر اور دیگر تمام قبور آباء صدیقی خاندان کی تھیں۔ اس کی چابی صدیوں سے ہمارے خاندان کے پاس رہی جو اس جگہ کی دیکھ بھال کرتے تھے- یہیں اہل خاندان دفن ہوتے رہے اور کسی کو یہاں داخلہ یا تعمیر کی اجازت نہیں تھی-

حضرت قاری حامدؒ لاولد تھے لیکن حافظ جان محمدؒ کی کئی نسلیں یہاں دفن ہوئیں۔ اسکے علاوہ کئی مشاہیر، علماء اور فضلاء یہاں دفن ہوئے جن میں حافظ رحمت اللہؒ، انکے بیٹے حافظ محمد بخش صحافؒ کے علاوہ مفتی خاندان کے مورث اعلی مفتی علی الدینؒ کے علاوہ بیسیوں قبور ہیں جن کا تعلق لاہور کے صدیقی خاندان سے ہے-

یہ کتاب مدرسہ ابوالحسن تربتی کے سقوط دوئم کے بارے میں ہے کہ کس طرح ایک سازش کے تحت پہلے اس جگہ کو ریلوے کی زمین ثابت کرکے ہڑپ کرنے کی کوشش کی گئی- جب اس میں ناکامی ہوئی تو مال بنانے کی کوششوں میں سرگرداں مافیا نے وہاں ایک مزار بنانے کا پروگرام بنایا- اس سارے معاملے میں وزیر ریلوے اور دیگر اعلی حکام کی ملی بھگت شامل ہے-اس وقت بظاہر فرنٹ مین وہ ہیں جنھوں نے وہاں چندے کیلئے صندوق رکھ دیا ہے- یہاں تمام قبور شریعت کے مطابق سینکڑوں سال سے محفوظ رکھی گئی تھیں-لیکن ان کی بے حرمتی کی گئی اور توڑ دیا گیا-اس سے پہلے بھی علاقے کے کئی مجاور اور کیئر ٹیکر اس پر قبضہ کی کوشش میں ناکام رہے-

اب ایم سلیم نامی ریلوے افسر جس نے ریلوے فنڈ سے مزار تعمیر کیا اور جسکی پشت پناہی محمد سلیم بٹ نامی غنڈے اور ریلوے کے ریٹائرڈ ملازم جن میں سے ایک کا نام محمد اکرم ہے کر رہے ہیں- انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں- صداقت صدیقی جو اس جگہ کے کیئر ٹیکر تھے انہیں بے دخل کر دیا ہے- یہ سب انتہائی آرگنائزڈ طریقہ سے کیا گیا ہے-خواجہ سعد رفیق جو منسٹر ریلوے تھے انکو کئی درخواستیں بھیجی گئیں لیکن انہوں نے جواب تک دینے کی زحمت نہیں کی-

حضرت حافظ جان محمدؒ کی انکے بعد دس پشتیں ہوئیں جن میں سے تین پشتیں یہاں دفن ہیں اور اس خاندان کے سینکڑوں افراد نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان کے دیگر شہروں اور بیرون ملک آباد ہیں-ان سب کو انتہائی غم اور غصہ ہے- کہ جس بیدردی سے قبروں کو شہید کیا گیا اس سے سکھا شاہی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے- اس کتابچہ سے حکام بالا کو توجہ دلانا مقصود ہے کہ اسلام کا نام لے کر جرائم کرنے والے وارداتیوں کو لگام ڈال کر تمام شہید قبور کو بحال کیا جائے-

مافیاکاقبضہ ختم کرایاجائے- مسجد سے پرانے تاریخی آثار مٹادئے گئے ہیں جوایک جرم ہے اوراس پر ایک مذہبی سیاسی جماعت کا قبضہ کرا دیا گیاہے تاکہ سیاسی حمایت لی جاسکے-

' یادگار چشتی' کی پہلی مرتبہ اشاعت 1858ء / 1275ھ میں ہوئی تھی، منسلکہ صفحات کو محترم گوہر نوشاہی نے مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا تھا جس میں ہمارے خاندان کا شجرہ بھی شامل ہے، اس کا ذکر انہوں نے منسلکہ صفحہ نمبر 55 اور 56 پر کیا ہے، اس کتاب کی تحقیق واشاعت کے وقت بیرون ملک ہونے کی وجہ سے بعض کتابیں جو میری لائبریری میں تھیں ان سے استفادہ نہیں کرسکا - اس سے پہلے میری لائبریری مستقل بند رہی اور کوئی بھی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا جن میں سینکڑوں کتابوں کے علاوہ ہزاروں مختلف موضوعات پر بنائی گئی فائلیں تھیں جن میں تاریخی مواد اور ان کی کاپیاں تھیں انہیں ضائع کرنا پڑا جس کا بہت قلق ہے میں نے بہت کوشش کی لیکن کوئی اس علمی مواد کو لینے آگے نہیں بڑھا، راولپنڈی میں کنٹونمنٹ لائبریری بھی بند ہوچکی تھی-

اسی میں' یادگار چشتی' اور دوسری کتاب جس کا ذکر کیا ہے وہ' عبرت نامہ' ہے جسے مفتی علی الدین نے تحریر کیا تھا، عبرت نامہ اور تحقیقات چشتی دونوں کتابیں بنیادی تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھنے والی کتابیں ہیں جن کی بنیاد پر بعد کے ادوار میں اکثر مصنفین نے کتابیں تحریر کیں- ' عبرت نامہ ' کوڈاکٹر محمد باقر نے پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور سے شائع کرایا تھا، انکی رہائش ماڈل ٹاؤن لاہور میں تھی میں ان سے ملنے گیا کہ شاید اسکی کوئی کاپی مل جائے لیکن ڈاکٹر محمد باقر نے بتایا کہ انکی لائبریری ہمدرد کے حکیم سعید صاحب کراچی لے گئے ہیں، اسکے علاوہ انہوں نے اپنی کتاب' ہسٹری آف لاہور' میں اسکے حوالہ دئے ہیں- پھر ان کا انتقال ہوگیا- بہر حال بعد ازاں کتاب' عبرت نامہ' کا دوسرا حصہ مجھے مل گیا اور وہ میری اپنی ذاتی لائبریری میں تھا-لیکن اس سے بھی مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر استفادہ نہیں کرسکا اور اس کتاب میں شامل نہیں ہے-ان ہی مفتی علی الدین اور انکے لواحقین کی قبر کو یہاں قبضہ مافیا نے اکھاڑ کر مزار تعمیر کر دیا ہے-

یادگار چشتی کے ان ہی صفحات کو منسلک کیا گیا ہے جن میں ان افراد کا تذکرہ ہے جن کا تعلق مدرسہ تربتی سے تھا یا جن کے لواحقین یہاں دفن ہوئے- اسی طرح بعض دیگر کتابوں کے حوالے شامل نہیں ہیں جو میری لائبریری میں موجود تھیں، کچھ کتابیں جناب سعید الدین صدیقی کے پاس تھیں جو اس مدرسہ کے متولی تھے انکی وفات کے بعد ان کے بیٹے بھی متولی رہے جب انکی بھی وفات ہوگئی تو ان کتابوں کے حوالے شامل اشاعت نہ کئے جاسکے-

میری چونکہ لاہور میں رہائش نہیں ہے تو جب لاہور جانا ہوتا ہے تو سب سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں، ایک بڑا سانحہ چچا شفیق احمد صدیقی کی وفات ہے جو ویٹ مین روڈ مغل پورہ میں شاہجہاں سٹریٹ پر رہائش پذیر تھے اور پاکستان ریلوے سے بحیثیت چیف انجینئر ریٹائر ہونے کے بعد اس جگہ کا خیال رکھتے تھے، انکے پاس بہت سی نادر تصاویر تھیں، لیکن انکے انتقال کے بعد ان کی فیملی کہیں اور نقل مکانی کر گئی۔

دوسرا سانحہ یہ پیش آیا کہ لاہور میں تین ایسے احاطہ ہیں جہاں میرے آباء اجداد دفن ہیں اسکے علاوہ میرے سسرال کے سب افراد ایک ہی جگہ میانی صاحب میں بہاول پور روڈ پر دفن ہیں انکی تمام تفصیلات اپنی کتابوں میں تحریر کر چکا ہوں، مدرسہ تربتی یا شیخ قاری حامد کے علاوہ ایک احاطہ گھوڑے شاہ سے متصل ہے جس کا احوال اپنی کتاب یادگار صدیقی میں کر چکا ہوں اور تیسرا احاطہ جنازگاہ لٹن روڈ پر میانی صاحب میں واقع ہے، جون 2022ء میں جب میں لٹن روڈ لاہور پر واقع جنازگاہ کے قبرستان میں گیا تو حیران رہ گیا کہ وہاں پر بھی ایک مافیا قبضہ کرنے کی کوشش میں تھی، اس احاطہ سے متصل بھی ایک مسجد تھی جسکی صرف قبلہ والی دیوار باقی ہے اس کو پینٹ کر کے نعرے لکھ دیئے گئے تھے اور کچھ مسٹنڈے وہاں سو رہے تھے۔ یہاں عبدالقادر چشتی، عبدالباسط چشتی اور انکے تمام لواحقین کے علاوہ میرے دادا بشیر احمد صدیقی اور انکے تینوں بھائیوں، اور انکے تمام اہل خاندان دفن ہیں، کئی قبور سرخ پتھر سے بنی ہوئی تھیں ان کی توڑ پھوڑ کی گئی تھی، میں نے کیئر ٹیکر کو بلایا اور تایازاد بھائی کے کہنے پر اس نے اپنا سٹاف بلا کر مرمت پر لگا دیا۔ وہاں بھی ایک پیر صاحب کو خواب آیا تھا اور انہوں نے ایک قبر دریافت کرنے کے بعد ارد گرد قالین بچھائے ہوئے تھے۔اسکی ایک تصویر بھی شامل اشاعت کر رہا ہوں۔

ویٹ مین روڈ لاہور پر ہی میرا وہ سکول اور ہوسٹل ہے جہاں میں چار سال پڑھتا رہا اور رہائش رکھی جو کہ مدرسہ تربتی شیخ قاری حامد کے بالمقابل سڑک پر ہے، جب بھی لاہور جاتا ہوں یہاں کا چکر ضرور لگاتا ہوں اور تمام دوستوں اور اساتذہ کی یاد تازہ کرتا ہوں، یہ بہت بڑے علاقے پر محیط ہے اس میں کلاس رومز کے علاوہ ہاکی اور فٹبال کے بڑے بڑے گراؤنڈ ہیں، سب ایک چار دیواری کے اندر ہے اور بڑے بڑے گیٹ ہیں جن پر سیکیورٹی گارڈ بیٹھا رہتا ہے۔چوکیدار مجھے جانتے ہیں اور گیٹ کھول دیتے ہیں، اس مرتبہ میں اپنے کزن جو انجینئرنگ یونیورسٹی میں پروفیسر اور ڈائرکٹر ہیں کے ساتھ گیا تو انہوں نے مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن ساتھ ہی ہمارے پیچھے ایک چوکیدار کو بھیج دیا۔ ہمیں حیرانی تو ہوئی لیکن اس نے کہا کہ تصویریں مت لیں، بہرحال حسب سابق ہوسٹل کے کمرے اور کلاس رومز کی یاد تازہ کرنے کے بعد

واپسی پر چوکیدار نے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا کہ آجکل ہمیں بہت خیال کرنا پڑرہا ہے کیونکہ قبضہ مافیا اس جگہ پر قبضہ کرنے کیلئے بہانے تراش رہے ہیں، میں نے پوچھا کون لوگ ہیں تو اس نے بتایا کہ برسر اقتدار سیاسی پارٹی کے بعض بااثر لوگ اس کے پیچھے ہیں، اب میں اسے کیا بتاتا کہ اس سکول کے سامنے ہمارے قدیم قبرستان پر ان ہی لوگوں نے قبضہ کر بھی لیا ہے۔

اسی سال میرا عمرہ کا پروگرام بن گیا اور وہاں سے ترکی جانے کا پروگرام تھا۔میں ابھی استنبول میں ہی تھا کہ مجھے پتہ لگا کہ میرے دونوں چھوٹے بھائیوں محمود، شادمان اور بھتیجے طلحہ نے فراڈ کرتے ہوئے میرا راولپنڈی کا مکان میری غیر موجودگی میں فروخت کر دیا اور تمام پیسہ غتربود کر گئے ہیں۔ میری چھوٹی ہمشیرہ اور بہنوئی قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں اور پولیس میں رپورٹ جمع کرائی ہے جس کا تاحال کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا نہ ہی میں راولپنڈی جاسکا ہوں۔ اب انسان کسی اور سے کیا شکایت کرے جب رشتوں کا لحاظ ختم ہو جائے اور گود میں کھلائے بھائی ہی قبضہ مافیا بن جائیں یہ قومی مزاج بن گیا ہے۔ شاید دوسروں کی پراپرٹی پر قبضہ کرنا ہماری نیشنل سائیکی بن چکا ہے، جن سے فراڈ ہوتا ہے وہ برسوں عدالتوں میں دھکے کھاتے رہتے ہیں لیکن انصاف نہیں ملتا۔ قبرستانوں کا کیا ذکر کیا جائے جس پر قبضوں میں صاحب جبہ و دستار کے علاوہ نوکر شاہی اور سیاستدان بھی ملوث ہوں۔ اخلاقی پسماندگی میں ہماری قوم نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، خون سفید ہو چکے ہیں۔ مزار بنا کر لوگوں نے اسے کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے اور پشتوں کی روٹیاں بن گئی ہیں۔

اب جبکہ اس جگہ کی تولیت دو بھائیوں امجد صدیقی اور صداقت صدیقی کے پاس تھی تو امجد صدیقی کا انتقال ہو گیا اور تمام ذمہ داری صداقت صدیقی کے کندھوں پر تھی کہ قبضہ مافیا نے منظم حملہ کر کے انہیں بے دخل کر دیا اور قبروں کی بے حرمتی کرتے ہوئے انہیں توڑ دیا اور ان پر مزار کی تعمیر کر کے چندہ وصول کرنا شروع کر دیا ہے۔

منصور احمد صدیقی

یکم مئی 2025ء، 3 ذیقعد 1446ھ

# سقوط ثانی مدرسہ ابوالحسن تربتی

مسلم لیگ ن کے دور حکومت میں افسوس کہ اکثر قبروں کو اکھاڑ کر یہاں ایک مزار بنا دیا گیا ۔ ریلوے کا ایک افسر ایم اسمعیل اس پر قابض ہو گیا۔ پہلے تو اس جگہ کو ریلوے کی زمین کہ کر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔کیونکہ یہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے اور مافیا کی نظریں اس پر عرصہ دراز سے ہیں، اسکے علاوہ مقامی قبروں کے مجاوروں کی نظر میں یہ احاطہ بہت کھٹکتا ہے ۔اس پر پہلے بھی ایک مجاور نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہو گئی تھی۔

اسکی تمام تفصیلات ' تحقیقات چشتی ' اور ' یادگار صدیقی 'کتابوں میں درج ہیں ۔ ریلوے کے وجود میں آنے سے بہت پہلے سے یہ احاطہ یہاں موجود ہے۔ گو سکھ دور میں مغل پورہ میں قائم مغل دور کی عمارات، مسجدوں، مدرسوں اور مقابر کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا۔ لیکن انگریز حکومت نے آتے ہی محکمہ آثار قدیمہ قائم کیا جس کی دن رات کوششوں سے چند آثار قائم رہے لیکن بعد میں جب 1908ء میں مغل پورہ ریلوے ورکشاپس اور دیگر ریلوے کی عمارات بنائی گئیں تو اکثر آثار ریلوے حدود میں آ گئے۔ دوسری جانب انجینئرنگ یونیورسٹی اور اسکے ہوسٹلوں کی تعمیر ہوئی۔ اب گنتی کے چند آثار کسمپرسی کی حالت میں ہیں جن پر مقامی لوگوں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔

اس علاقے میں زمانے کی دست برد سے محفوظ رہنے والی عمارات میں سے ایک علی مردان خان کا مقبرہ ہے یا یہ احاطہ جسے مدرسہ ابوالحسن تربتی کی باقیات کہا جائے تو مناسب ہو گا جسے انگریز حکومت نے ریلوے ورکشاپس کی تعمیر کے وقت رہنے دیا تھا ۔ جو آثار ریلوے حدود میں آ چکے ہیں ان کی بحالی کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ جب یہ احاطہ جسے مدرسہ ابوالحسن تربتی کا تسلسل قرار دیا جاتا ہے اور یہ حافظ جان محمد ؒ اور اسکے بعد انکے فرزند حافظ رحمت اللہ ؒ کی تحویل میں رہا اسکے بعد انکے بیٹے حافظ محمد بخش صحاف ؒ اسکی دیکھ بھال کرتے رہے اسی طرح بعد ازاں انکے بیٹے اور دیگر لواحقین اسکے نگران رہے۔

سلطنت مغلیہ کے بعد رنجیت سنگھ کی حکومت اور بعد کے انگریز دور تک تین خاندان لاہور میں بہت با اثر رہے، صدیقی خاندان کے ساتھ لاہور کا مفتی خاندان اور لاہور کا چشتی خاندان –

ان سب خاندانوں پر علیحدہ علیحدہ کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔

مولوی نور احمد چشتی کی کتاب ' تحقیقات چشتی' 1864ء / 1281ھ تو لاہور کا انسائیکلوپیڈیا ہے، اسی طرح مفتی علی الدین ؒ کی کتاب ' عبرت نامہ' 1853ء / 1270ھ بہت مشہور کتاب ہے- مفتی خاندان میں سے کئی انگریز عہد میں مفتی مقرر کئے گئے - یہ سب تفصیلات میں اپنی کتابوں 'انساب صدیقی' اور 'یادگار صدیقی' میں بیان کر چکا ہوں-

اس مدرسہ کا سقوط ثانی جن لوگوں کی ملی بھگت سے ہوا انہوں نے ہی نیا مزار تعمیر کرتے وقت حافظ جان محمد ؒ اور انکے پوتے حافظ محمد بخش صحاف ؒ، اور انکے بیٹے مولوی حافظ بخش صحاف ؒ، اور انکے بیٹے حافظ فیض بخش ؒ کے علاوہ مفتی علی الدین ؒ متوفی 1277ھ کی قبور کو سرے سے مسمار کر دیا- جب بہت شور و غوغا ہوا اخباروں میں کالم لکھے گئے تو انکی قبروں کی جگہ پتھر کی سلیں رکھ دی گئیں - یہ سب قبریں اس چبوترے پر تھیں جس پر قاری حامد ؒ کی قبر تھی- میرے پاس قدیم تصاویر بھی ہیں جن میں سے چند شامل اشاعت ہیں- یہ سب قبور عین شرعی نقطہ نظر سے برقرار رکھی گئی تھیں ـ 500 سو سال سے نہ یہاں پیری مریدی کا سلسلہ شروع ہونے دیا گیا تھا اور نہ ہی نذرانے وصول کرنے کی کوشش کی گئی تھی- قاری حامد ؒ خود باشرع عالم دین تھے ـ صرف ایک قبر حافظ رحمت اللہ ؒ کی ان کے دست برد سے محفوظ ہے جو موجودہ بنائے گئے مزار سے باہر کی جانب تھی- وہ مدرسہ ابوالحسن تربتی کے آخری پرنسپل تھے جس کے بعد لاہور میں افراتفری کی وجہ سے اہل خاندان اندرون شہر اقامت پذیر ہوئے اور وہاں ' کوچہ رحمت اللہ ' ان کے نام سے مشہور ہے- نقوش لاہور نمبر میں بھی اسکا ذکر کیا گیا ہے -

حافظ جان محمد ؒ کی قبر کو شہید کرنا ایک بہت بڑا سانحہ ہے، جس کی وجہ سے تمام خاندان رنجیدہ اور مظطرب ہے ان قبور اور دیگر تمام قبور کو فوری تعمیر کیا جانا چاہیئے راقم الحروف نے کئی درخواستیں ریلوے منسٹر خواجہ سعد رفیق صاحب کو بھیجیں لیکن انہوں نے پلٹ کر جواب تک نہیں دیا- درخواست کی کاپی ن لیگ کے کئی لیڈروں کو بھی بھیجیں جن میں محترمہ مریم نواز شریف بھی شامل ہیں لیکن کسی نے جواب دینے تک کی زحمت نہیں کی -

حافظ جان محمد ؒ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم باعمل فاضل بزرگ تھے، تمام مشہور کتابوں میں آپکا ذکر ہے۔
آپ نواب ذکریا خان صوبہ لاہور کی اولاد کے اتالیق تھے- آپ کے شاگرد نواب یحیی خان بن نواب بہادر خان صوبہ لاہور نے آپ کی بے شمار کرامتیں اپنی کتاب ' سیرۃ الکاملین ' میں درج کی ہیں- جن کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے- آپکا عہد مغل بادشاہ محمد شاہ روشن اختر اور عالمگیر ثانی کا تھا -

اب سقوط ثانی کے بعد مدرسہ ابوالحسن تربتی کے حالات ایسے ہیں کہ وہاں قبضہ بر قرار رکھنے کیلئے کچھ مسٹنڈے بٹھادئے گئے ہیں- جنہوں نے وہاں پیری مریدی شروع کر دی ہے، نذرانے وصول کئے جاتے ہیں اور مدرسہ ابوالحسن تربتی کے آخری نشان کا تقدس بری طرح مجروح کر دیا ہے اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ اسکو ایک کاروباری طرز کے مزار کی شکل دے دی جائے اور باقی ماندہ زمین پر قبضہ کر لیا جائے- مسجد پر بھی ایک سیاسی مذہبی جماعت کا قبضہ کرا دیا گیا ہے- اس سازش کے پیچھے ریلوے کے وزیر اور اسکے فرنٹ مینوں کا ہاتھ ہے- جنہوں نے پہلے اسے ریلوے کی زمین بتا کر ہڑپ کرنے کی کوشش کی لیکن جب قبضہ نہ کر سکے تو وہاں قبریں اکھاڑ کر مزار بنا دیا ۔ ہمارے خاندان کی طرف سے جو کیئر ٹیکر تھے انہیں بے دخل کر دیا گیا ہے-

آئندہ صفحات میں مختلف کتابوں سے حوالے جن کا تعلق مدرسہ ابوالحسن تربتی سے ہے شامل اشاعت کی گئی ہیں-
یہ کتاب کسی کی دل آزاری کیلئے شائع نہیں کی جارہی بلکہ اس کا تمام تر مقصد ان تمام قبروں کو جنہیں شہید کر کے ان کی بے حرمتی کی گئی ہے وہ کسی طور بھی اسلامی فعل نہیں ہے-اس قبرستان میں تمام قبریں شریعت کے مطابق بنائی گئی ہیں اکثر پر کتبہ بھی نہیں لگائے گئے تھے۔ چبوترے پر جو قبور تھیں وہ سینکڑوں برس سے اس پر قائم تھیں۔ جن کی بے حرمتی کر کے صرف ایک قبر پر مزار بنا کر کمائی کا دھندا چلانا اور اردگرد مافیاز کو اس سے فائدہ پہنچانا قابل نفرت عمل ہے- ہم چپ نہیں بیٹھیں گے اور مملکت خداداد پاکستان میں پر امن طریقہ سے احتجاج کرتے ہوئے کوشش کرتے رہیں گے کہ شاید کوئی تو ایک نیک انسان ایسا ہو گا جو اس ناانصافی اور خلاف شریعت معاملہ پر مجرموں کو سزا دے گا اور قبور دوبارہ بحال کرے گا -

اس مدرسہ کی تاریخ پر سب سے مفصل تفصیلات معارف اعظم گڑھ نے اپنے شمارے جنوری 1945 میں تحریر کی تھیں۔ اسکے علاوہ بیسیوں کتابوں میں اس مدرسہ کے حوالے دئے گئے ہیں ۔

مشہور کتابوں میں نقوش کا لاہور نمبر، تحقیقات چشتی، انساب صدیقی اور یادگار صدیقی وغیرہ شامل ہیں-

دیگر کتابوں کی فہرست آخر میں شامل اشاعت ہے- نقوش لاہور نمبر اور دیگر کتب سے جو تاثر مدرسہ ابوالحسن تربتی کے بارے میں ملتا ہے وہ قطعی معارف کے مضمون سے مختلف ہے جس میں مدرسہ کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے-

نقوش لاہور نمبر میں مدرسہ ابوالحسن تربتی کے بارے میں جو مختصر حالات تحریر ہیں پہلے انہیں پیش کیا جاتا ہے

## نقوش لاہور نمبر سے اقتباس

**مدرسہ ابوالحسن تربتی:** یہ لاہور کا مشہور مدرسہ تھا اور سب سے خوبصورت اور امیر گزر مغلپورہ میں واقع تھا- نواب ابوالحسن خان دور جہانگیری کا ایک امیر کبیر تھا۔اور وزارت عظمی کے عہدے پر فائز ہوا۔اس کا لڑکا ظفر خان احسن کشمیر کا گورنر تھا ۔اس نے کئی حویلیاں، محل، باغ اور دیگر عمارتیں بنوائیں ۔جب وہ 1051ھ / 1641ء میں فوت ہوا تو اسکی وصیت کے بموجب ایک وسیع باغ میں دفن کیا گیا ۔ مقبرہ کی عمارت دو منزلہ تھی۔اور یہ عمارت گردونواح کی تمام عمارتوں سے بلند تھی۔ کاشی کا خوبصورت کام دیکھنے والوں کے دلوں پر عجیب اثر کرتا تھا۔

نواب مرحوم کی بیگم مخدومہ جہاں کہلاتی تھیں۔وہ مختلف اسلامی علوم وفنون میں اچھا خاصہ درک رکھتی تھی اور ضروریات زمانہ سے آشنا تھی۔انہوں نے اپنے خاوند کی یادگار میں یہ مدرسہ جاری کیا اور ایک ہزار حافظ اس کام کے لئے مقرر کئے کہ وہ باری باری اسکے خاوند کے مزار پر قرآن پڑھا کریں۔یہ نیک خاتون بروز دوشنبہ 4 شعبان 1066ھ ( 1656ء) کو فوت ہوئیں اور اسی باغ میں ایک علیحدہ مقبرہ میں دفن کی گئیں-

مدرسہ کے معلمین میں سب سے نمایاں نام قاری حامد کا ہے جو ایک مدت تک اسکے صدر مدرس اور مہتمم رہے۔مولانا حامد قاری نہایت فصیح البیان واعظ اور فاضل اجل تھے۔دور دور سے لوگ آپ کے ہاں استفادہ کی غرض سے آیا کرتے تھے۔آپ 1166ھ ( 1752ء) میں فوت ہوئے۔اور مدرسہ کے ایک کونے میں دفن کئے گئے۔آپ کی تصانیف میں دو کتابیں اچھی شہرت رکھتی ہیں۔ایک تو آپ کے ملفوظات ہیں اور دوسری حرمت حقہ-

آپکی وفات کے بعد حافظ رحمت اللہ اس مدرسہ کے پرنسپل مقرر ہوئے مگر آپ کا زمانہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔کیونکہ لاہور ان ایام میں سکھ سرداروں کی جولاں گاہ بنا ہوا تھا- ہر طرف بدامنی تھی- قتل وغارت کی گرم

بازاری تھی۔ اس لئے اطمینان قلب اور امن جو تعلیم کے لئے ضروری ہیں بالکل مفقود تھے۔ یہ عالیشان مقبرہ اجڑ گیا اور سکھاشاہی میں ایک میگزین کا کام دینے لگا۔ اس وقت ریلوے سٹور کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہے۔

(نقوش لاہور نمبر–فروری 1962ء– صفحہ 500 )

نقوش لاہور نمبر میں ہی صفحہ 291 سے 296 پر مخدومہ بیگم اور نواب ابوالحسن پر تفصیلات درج کی گئی ہیں–

## معارف–اعظم گڑھ کے ایک مضمون کا حوالہ

معارف– اعظم گڑھ جنوری 1945ء میں شائع شدہ مضمون جسے جناب شجاع الدین ایم اے لاہور نے تحریر کیا ہے مکمل نقل کرتا ہوں

بیاد نقش عمارات شہر یاران ہیں

کہ این سپہر جفا پیشہ چوں یہ بست و شکست

عہد مغلیہ میں اکثر باکمال ایران خراسان اور توران وغیرہ ممالک سے تلاش روزگار کے سلسلہ میں وارد ہندوستان ہوا کرتے تھے، اور انکی قسمت کا ستارہ فضائے ہند میں چمک کر شام غربت کو صبح وطن سے زیادہ تابناک بنا دیتا تھا۔ اکثر کا بخت رسا انہیں سپہ سالاری صوبہ داری اور وزارت عظمی کے عہدوں تک پہنچا دیتا تھا۔ علماء ہوں یا شعراء، ماہران انتظام ملکی ہوں، یا نبرد آزمایان جنگی، ہر جوہر قابل کیلئے سرزمین ہند میں شان کئی موجود تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض تیرہ بختوں کا حال 'مخفی رشتی' جیسا بھی ہوتا ہو۔

بہر کیف ابوالحسن تربتی کو آب و دانہ اور خاک گور اس کے وطن مالوف تربت حیدری سے اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان کھینچ لائی۔ تربت حیدری ان دنوں خراسان کا مشہور اور مردم خیز شہر تھا۔ اور آج بھی مملکت ایران کے شمال مشرقی حصہ خراسان میں ایک متوسط درجے کا قصبہ ہے۔

جوہر شناس اکبر نے ابوالحسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا (ماثر الامراء جلد اول صفحہ 37) اور دکن کے نو مفتوحہ علاقوں کا دیوان مقرر کیا۔ اکبری دور کی دکنی مہم 1600ء میں احمد نگر اور 1601ء میں اسیر گڑھ کی فتح کے بعد مکمل ہوئی۔ چنانچہ اسی زمانے میں ابوالحسن یہاں آیا۔ اس کے آباء اجداد اس کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے متعلق ہم کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔ لیکن اس کی کامیاب زندگی، بڑے عہدوں کے فرائض کی حوش اسلوبی سے بجا آوری یہ ظاہر کرتی ہے یہ وہ کسی اچھی کان کا بے بہا لعل اور کسی بلند فلک کا درخشاں ستارہ تھا۔

ابوالحسن پانچ چھ سال تک بطور دیوان دکن اپنے فرائض منصبی کو جانفشانی اور تندہی سے بجالاتا رہا۔ دور

جہانگیری کے دوسرے سال جب آصف خان میرزا جعفر کو وکیل سلطنت کا عہدہ تفویض ہوا، تو یہ اس کا سررشتہ دار بنادیا گیا اور 1021ء میں میر بخشی کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اعتماد الدولہ کی وفات کے بعد ابوالحسن اس کی جگہ دیوان کل مقرر ہوا۔

اسے پانچ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کا منصب عطاء ہوا، جلوس جہانگیری کے انیسویں سال دیوانی کا عہدہ نورجہاں کے بھائی آصف خان کو اور کابل کی صوبہ داری ابوالحسن تربتی کو مرحمت ہوئی۔ مگر یہ خود دربار میں رہا، اور اپنے فرزند احسن اللہ ظفر خان کو نائب مقرر کر کے کابل روانہ کیا۔

مہابت خان کے ہنگامے میں ابوالحسن نے نہایت دلیری اور اولعزمی سے ملکہ نورجہاں کی حمایت میں جنگ کی اور دریائے جہلم میں ڈوبتا ہوا مشکل بچا۔

شاہ جہاں کے عہد میں اسے چھ ہزار ذات اور چھ ہزار سوار کا منصب عطاء ہوا۔ 1632ء میں ابوالحسن کو کشمیر کا صوبہ دار بنایا گیا، مگر یہاں اس کے فرزند ظفر خان ہی باپ کا نائب بن کر گیا، اور وہ دربار شاہی میں رہا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد 1632ء مطابق 1042ھ میں ابوالحسن تربتی ستر سال کی عمر میں راہی عدم ہوا۔

صاحب ماثر الامراء اس کے فرزند ظفر خان کے حالات میں لکھتا ہے کہ ' درلاہور بساط ہستی در نوردد در مقبرہ پدر مدفون گشت'۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابوالحسن تربتی کا لاہور میں مقبرہ تھا، جس میں اس کا فرزند ظفر خان بھی دفن ہوا۔

دور مغلیہ میں دستور تھا کہ جو غیر ملکی یہاں آکر شاہی ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہوتے، وہ پھر اپنے وطن واپس نہ جاسکتے تھے، اور اس صورت میں ان کو اپنی کل دولت یہیں چھوڑنا پڑتی تھی، اس لئے وہ ہندوستان ہی کے کسی شہر میں عمارتیں بنوا کر اقامت اختیار کر لیتے تھے، اگرچہ سرکاری خدمات کی ادائیگی کے سلسلے میں انہیں مختلف شہروں میں پھرنا پڑتا تھا۔ مگر پیرانہ سالی کا زمانہ اور ایام تعطیلات بسر کرنے کے لئے اسی شہر میں آجاتے جسے اپنا مستقر قرار دے کر عمارتیں بنوائی ہوتیں ۔ لاہور کی آب و ہوا دہلی اور آگرہ سے بہتر اور ایران و خراسان سے مقابلتا نزدیک تر ہونے کی وجہ سے اکثر غریب الوطن امراء نے اسی شہر کو اپنا وطن قرار دیا تھا۔ اور یہاں فلک بوس محلات، رشک فردوس باغات اور عالیشان مساجد اور مقابر بنوا کر اس شہر کی گوناگوں خوبیوں کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ موسم گرما بسر کرنے کے لئے لاہور کے پاس ہی کشمیر کی حسین سرزمین تھی، مگر اس تمام سامان تعیش کے باوجود جو انہیں میسر ہوتا تھا وطن کی یاد ان کے دل سے نہ جاتی تھی، اور ہندوستان میں بادشاہی کرنے کے باوجود خراسان و ترکستان کا گدا بننے کی خواہش ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی، جیسا کہ خود ابوالحسن تربتی کے فرزند ظفر خان احسن کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

زبعد اکبر آباد است لاہور کہ ڈر خوبی بعالم گشتہ مشہور

بردن آرو ہوایش از فراقت وہدیادا از خراسان و عراقت

الہی تا بود کشمیر آباد توازباغ خراسانم رہ یاد

بہر کس ہرچہ خواہد بے سخن وہ مرا کشمیر و بلبل را چمن وہ

چنانچہ بہت سے مقامی اور غریب الدیار امراء کی سربہ فلک عمارتوں نے اس شہر کو عروس البلاد بنا دیا تھا، جن میں ملا نظام الدین بخشی، شیخ فرید، امانت خان خوانی، آصف خان، علی مردان خان، علامی افضل خان، نواب میاں خان، دروزیر خان وغیرہ جیسے جلیل القدر امراء شامل تھے۔

ابوالحسن تربتی بھی جب ہندوستان آیا، تو اس نے بھی اسی شہر میں عمارتیں بنوائیں جو مغل امراء کے مشہور محلہ مغل پورہ میں واقع تھیں، اور اسی جگہ اس کا مقبرہ بھی تھا۔

اس وقت لاہور میں مقبرہ ابوالحسن کے نام سے کوئی عمارت نامزد نہیں، لیکن لاہور کی قدیم یادگاروں کے متعلق پچھلی صدی کی لکھی ہوئی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ صاحب تحقیقات چشتی اپنی کتاب میں ابوالحسن کے مقبرہ کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر کسی جگہ اس کو ابوالحسن آصف خان برادر نور جہاں سے غلط ملط کیا ہے، اور کہیں ان کا فرزند بتایا ہے، ایک جگہ البتہ اس کی وضاحت کردی ہے کہ ابوالحسن آصف خان سے علیحدہ کوئی اور ابوالحسن تھا۔

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

رائے بہادر کنہیالال کایستھ کے بیان کے مطابق صاحب مقبرہ ابوالحسن یوسف خان طہرانی نور جہاں کے ماموں تھے۔

محمد لطیف بھی اس مقبرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ابوالحسن، آصف خان برادر نور جہاں سے علیحدہ کوئی اور شخص تھا۔ مگر چشتی اور لطیف میں کوئی صاحب اس امر کی توضیح نہیں کرتے ہیں، کہ یہ ابوالحسن، رکن السلطنت خواجہ ابوالحسن تربتی تھے۔

مگر جب یہ تمام مورخ مقامی روایات کی بناء پر ایک مقبرے کو ابوالحسن سے منسوب کرتے ہیں، اور ماثر الامراء جیسی معتبر کتاب میں خواجہ ابوالحسن تربتی کے مقبرے کا لاہور میں واقع ہونا تحریر ہے، تو اس مقبرہ ابوالحسن کو خواجہ ابو الحسن تربتی کا مقبرہ قرار دینے میں کیوں شک وشبہ کیا جائے۔

ذیل میں اس مقبرہ کا حال بالترتیب قلمبند کیا جاتا ہے

مقبرہ ابوالحسن تربتی :

سن 1042ھ میں ابوالحسن اس دار فانی سے رخصت ہوا ۔ اور شاہجہانی عہد کے خوب ترین علاقے یعنی محلہ مغل پورہ میں ایک عالیشان مقبرہ اسکی آرام گاہ قرار پایا ۔ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ مقبرہ علی مردان خان کی طرح وہ اپنی زندگی میں تعمیر کرا چکا تھا یا بعد میں بنوایا گیا ۔ خان مذکور کے مقبرے کی طرح یہ بھی اندر سے دو منزلہ تھا اور چاروں طرف آٹھ کمرے تھے ۔ جن کی چھت پر خوبصورت چھوٹے گنبد اور ان کے درمیان میں بڑا گنبد تھا۔ جن پر سنگ سرخ لگا ہوا تھا ۔ مقبرہ میں اندر اور باہر نہایت اعلی قسم کی پچکاری گلکاری اور کاشی کاری تھی ۔ مقبرے کے گرد

ایک باغ تھا۔ اوراس باغ کوسیر اب کرنے کے لئے ایک اتنا بڑا کنواں تھا۔ جس پر دس رہٹ باآسائش و فراغت چل سکتے تھے۔مقبرہ مذکور کے نیچے ایک وسیع تہہ خانہ تھا جو اندرہی اندر کنویں تک آیا ہوا تھا۔ اور کنویں میں اسکی کھڑکی بھی تھی۔

مولوی نور احمد معمر لوگوں کی زبانی لکھتے ہیں کہ اس وسیع تہہ خانے کے اندر بھی گلکاری کی ہوئی تھی۔

اسی باغ میں مذکورہ بالا مقبرہ کی شمالی جانب ایک اور میانہ کاشی کار گنبد تھا۔اس میں ابوالحسن کی بیوی مخدومہ بیگم تہ خاک محو خواب تھی۔ اس نے یہ مقبرہ اپنی زندگی میں خاوند کی وفات کے بعد بنوایا تھااور اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنا مقبرہ بہت چھوٹا بنوایا۔

مخدومہ بیگم اس زمانے کی دیگر خاندانی بیگمات کی طرح بہت ہی قابل اور فاضل خاتون تھی۔ دیگر علوم وفنون کے علاوہ فن شعر گوئی میں دسترس رکھتی تھی۔

ابوالحسن تربتی جیسے امیر کی بیوی اور ظفرخان احسن جیسے شخص کی ماں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔مخدومہ بیگم نے بروز دو شنبہ بتاریخ 4 شعبان 1066ھ میں اس عشرت کدہ فانی کو الوداع کہی۔

ظفرخان احسن 1073ھ میں عالمگیر کے عہد حکومت میں فوت ہوا اور اسی جگہ باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ ظفرخان احسن کی بیوی بزرگ خانم بنت سیف خان (جو کہ ممتاز زمانی زوجہ شاہنشاہ شاہجہاں کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی) بھی اسی خاک کا پیوند بنی ہو اور اپنی ساس کے پاس دفن ہوئی ہو۔

مخدومہ بیگم نے اپنی زندگی میں اپنے جلیل القدر فرزند کے ایما سے اس مقبرے میں ایک مدرسہ قائم کرکے بہت سی جائداد وقف کی تھی۔ مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ مقبرہ کی جملہ عمارات میں رہتے تھے۔ان کے تمام اخراجات اوقاف کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔اس مدرسہ میں تمام دینی اور اس زمانہ کے مروجہ علوم سکھائے جاتے تھے اور اس عہد کے لاہور کے دوسرے مدارس کی طرح اس میں بھی دور دور سے طلبہ آتے تھے۔ایک ہزار نفر خوان قاری نواب کی قبر پر شب و روز قرآن خوانی کے لئے مقرر ہوئے۔اس مقبرے اور باغ کے پاس ہی نواب کے عالی شان سنگین اور کاشی کار محلات تھے جن کے ساتھ دیگر امراء کے ایوانات، مقابر اور باغات کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔

بازاروں کی رونق، محلات کی شان وشوکت، دولت وثروت و ثروت کی افراط اور تجارت وصنعت کی بہتات کی وجہ سے یہ محلہ مغل پورہ لاہور کے تمام محلوں سے گویا سبقت لے گیا تھا۔اور اسکے گلی کوچوں میں شب و روز کنچن رہتا تھا۔

ذرا چشم تصور سے ملاحظہ فرمایئے کہ فلک بوس محلات، عالی شان مساجد اور جنت نظیر باغات کے حامل اور پاکیزہ محلہ میں ایک فرحت افزاء مقام تھا جس میں کاشی کار دیواروں، سنگ سرخ کے فرشوں اور سرخ پتھر کے گنبدوں والے مکان کے اندر ایک پر طرب اور رنگین ماحول میں طلبہ تمام تفکرات سے بے نیاز ہو کر تحصیل علم میں مشغول رہتے تھے۔

شہنشاہ فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہد میں جب غازی عبد الصمد خان اور نواب ذکریا خان دونوں باپ بیٹے یکے بعد دیگرے ناظم لاہور کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے تو اس مدرسہ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے، اس کے قریب ہی بیگم پورہ کے فلک رفعت محلات میں ان کا قیام تھا، انہوں نے اس دارالعلوم کی سرپرستی قبول کی، اور ہمیشہ طلباء اور اساتذہ پر انعامات اور اکرامات کی بارش کرتے رہتے تھے ۔

اس زمانہ میں اس مدرسہ کے مدرس اعلی حضرت حامد قاری ؒ تھے، یہ بزرگوار اس مبارک زمانہ کے جید علماء میں سے تھے، تبحر علمی کے علاوہ قدرت کی طرف سے انہیں لحن داؤدی بھی عطاء ہوا تھا اور ان کے زہد و تقوی کا ایک عالم معترف تھا۔جب تک سر زمین پنجاب اسلامی حکومت کے سایہ عاطفیت میں رہی، اس مقبرے کی رونق اور آبادی قائم رہی، لیکن جب نا اتفاقی اور دون ہمتی کے سبب ہندی مسلمانوں کی سطوت اور ثروت، نکبت اور عسرت میں بدل گئی، تو ان کی ہیبت سے لرزہ براندام رہنے والے اسلامی حکومت کی لاش کے گرد بھوکے گدھوں کی طرح منڈلانے لگے، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ درانیوں کے بیرونی حملوں نے پنجاب کی مسلم حکومت کی رہی سہی طاقت کو ملیامیٹ کر دیا، اور یہاں سکھوں کا اقتدار قائم ہو گیا اس گیر ودار میں جہاں شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے پنجاب کی سرزمین لالہ زار ہو گئی، وہاں مقبرے اور مدرسے بھی اس کی زد میں آ گئے، اور اٹھارویں صدی کے آخری ربع میں محلہ مغل پورہ کے ساتھ ہی یہ مدرسہ بھی ختم ہو گیا۔

رنجیت سنگھ کا عہد :

رنجیت سنگھ کے عہد میں نواح لاہور کی تمام اسلامی یادگاروں کے سنگ مرمر اور قیمتی پتھر نوچ لئے گئے، اور انہیں دربار صاحب امرتسر اور دوسری عمارتوں کی تعمیر میں خرچ کیا گیا مفتی غلام سرور کا بیان ہے، کہ اس پر آشوب دور

میں دوہزار کے قریب مسجدیں، مقبرے، حمام، سرائیں اور حویلیاں وغیرہ شامل تھیں، حکومت کے قبضہ میں تھیں اور ان میں سے کسی میں چھاؤنی، کسی میں سرکاری گودام یا کارخانہ، کسی میں گولہ بارود کا ذخیرہ تھا، کسی فوجی افسروں کی رہائش گاہ تھی، مقبرہ ابوالحسن تربتی میں رنجیت سنگھ کے فرنگی جرنیل ایوی ٹیبل کی ماتحت فوجوں کا ذخیرہ رہتا تھا، اور بھوپ سنگھ کمیدان اسکا محافظ تھا۔

زمانے کی نیرنگیاں دیکھئے کہ جس پاکیزہ عمارت میں تقریبا سوا سوسال تک خوش الحان قاری شب و روز قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے، اس میں بارود بھر دی گئی، زمانہ نے اس پر اکتفاء نہ کی، بلکہ شیر سنگھ کے دور حکومت میں بجلی گری، جس سے بارود کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی، دھماکے کی آواز دور تک سنائی دی، بہت سے محافظ جل مرے، مقبرے کی عمارت کو ازحد نقصان پہنچا، اس کا بہت سا حصہ جل گیا، اور دیواریں بارود کے پھٹنے سے اڑ گئیں۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

مگر مغلیہ عمارتوں کی سخت جانی اور استحکام ملاحظہ ہو کہ سوختہ محرابوں پر سیاہ رنگ کا جھلسا ہوا گنبد پھر بھی قائم رہا، مگر یہی بچا رہتا، تو بھی غنیمت ہوتا کہ اسلامی آثار کے فریفتہ اسی کو دیکھ کر عہد رفتہ کی یاد تازہ کر لیتے۔ لیکن زمانہ نے اس نقش کو بھی نہ چھوڑا، 1849ء میں پنجاب میں انگریزی حکومت کا آغاز ہوا، یہ وہ دور ہے جس میں محققین آثار قدیمہ اور علمائے تاریخ نے قدیم ٹیلوں کو کھود کر، جنگلوں اور ویرانوں کی چاک چھان کر، پتھروں، شکستہ برتنوں اور سنگ ریزوں کی زبانی عہد عتیق کی تاریخ تدون کی ہے، لیکن شومئی بخت دیکھئے، کہ اسی عہد میں لاہور کی اکثر قدیم اسلامی یادگاریں تباہ و برباد ہوئیں، یا کارکنان محکمہ آثار قدیمہ کی تغافل شعاری کا شکار ہو کر کس مپرسی کی حالت میں بہت جلد مٹنے کو ہیں۔

جدا ہے مقسوم اپنا اپنا الگ ہے تقدیر اپنی اپنی

دیا ہے اس شوخ دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی

بہرکیف 1864ء تک مقبرے کی عمارت موجود تھی، تحقیقات چشتی میں اس کے حالات مرقوم ہیں،

مگر 1884ء کی شائع شدہ تاریخ لاہور مؤلفہ رائے بہادر کنہیالال سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس وقت اس مقبرے کا نشان صفحہ ہستی سے مٹ چکا تھا۔ اور صرف محترمہ مخدومہ بیگم کا مقبرہ اور کنواں باقی رہ گئے تھے، مقابر کی فصیل اور ملحقہ محلات کے کھنڈرات کی اینٹیں بک چکی تھیں، اور باغ نذر خزاں ہو گیا تھا، 1884ء کے بعد مخدومہ بیگم کا مقبرہ بھی نیلام ہو کر گرا دیا گیا

ترے کمال ستم کی یہ یادگار رہے

نہ ہم رہیں نہ ہمارا کہیں مزار رہے

محمد لطیف کی کتاب 'لاہور' مطبوعہ 1892ء سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس فلک نشاں عمارت کی یادگار صرف اس کا بڑا کنواں باقی رہ گیا تھا۔ باغ مقابر اور حویلیوں نے لق و دق میدان کی صورت اختیار کر لی تھی، مگر آج اس کنویں کا نشان بھی ڈھونڈے نہیں ملتا، جس جگہ یہ مقابر تھے، وہاں اب ریلوے جنرل سٹورز اور کارخانے تعمیر ہو چکے ہیں۔

محلہ مغل پورہ کی شوکت رفتہ کی یادگار اب صرف علی مردان خان کا فلک بوس مقبرہ، مدرسہ ابوالحسن تربتی کے مذکور بالا معلم اعلی حضرت حامد قادری ؒ کا مزار اور نصرت خان کا مقبرہ باقی رہ گئے ہیں۔ اول الذکر دونوں یادگاریں ریلوے سٹور کے اندر ہیں، انہیں بلند دیواروں میں محصور ایک چھوٹا سا راستہ بنا دیا گیا ہے، اور ہر شخص انکی زیارت کر سکتا ہے، مقبرہ نصرت خان ریلوے کیرج شاپ کے اندر ہے، اسکی ملحقہ مسجد اور دیگر مکانات گرائے جا چکے ہیں، اور وہاں تک جانے کا کوئی راستہ نہیں، ان کارخانوں کے پاس ہی لاہور سے امرتسر کی جانب جانے والی ریلوے لائن کا پہلا سٹیشن واقع ہے، جس کا نام قدیم مغلیہ محلے کے نام پر مغل پورہ رکھا گیا ہے

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

رفت منزل بدیگرے پرداخت

(بحوالہ: معارف-اعظم گڑھ-جنوری 1945 - معارف نمبر 1 جلد 55 - صفحہ نمبر 9 سے لیکر 14 تک)

## تحقیقات چشتی-مولانا نور احمد چشتی کی کتاب سے حوالہ جات

مشہور کتاب' تحقیقات چشتی' جو 1864ء میں تحریر کی گئی تھی اس میں مدرسہ ابوالحسن تربتی میں اس وقت کے متوفی مشاہیر کی فہرست قبور دی گئی تھیں- ان کے لئے انہوں نے ایک علیحدہ باب مختص کیا تھا۔ اسکو یہاں نقل کر رہا ہوں تا کہ جن افراد نے مجرمانہ طریقہ سے قبروں کو مسمار کر کے مزار بنایا ہے وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو سکیں-

صفحہ نمبر 406 پر تحریر کرتے ہیں

بعد حضرت حامد قاریؒ صاحب مرحوم کے مولوی جان محمدؒ صاحب خادم ان کے سجادہ نشین ہوئے-بعدہ ان کے صاحبزادے حافظ رحمت اللہؒ جو تدریس بھی وہاں کرتے رہے بعد ازاں انکے صاحبزادے میاں محمد بخش صحافؒ لاہوری ( اور یہ میاں محمد بخش صاحب صحاف حقیقی نانا یعنی جد فاسد مجھ کمترین مصنف نور احمد چشتی کے تھے )

بعد وفات ان کی کے میاں حافظ بخش اور خیر الدین اور فضل الدین تین فرزند میاں محمد بخش کے باقی رہے-
اب حافظ بخش فوت- ان کا ایک بیٹا فیض بخش باقی ہے-اور خیر دین کے تین بیٹے ایک چراغ الدین دوسرا رمضان تیسرا امیر بخش- اور فضل الدین کے یہاں دو بیٹے ایک سراج الدین دوسرا غلام محی الدین المشہور مولا بخش اب تک اپنے آپ کو یہ لوگ قابض مکان ہذا تصور کرتے ہیں-

صفحہ 406 پر بہ عنوان' جاگیر اور معافیاں' تحریر کرتے ہیں

چونکہ مدرسہ حضرت حامد قاری صاحب کا یہاں تھا- اس نظر سے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگھ مزروعہ واسطے مصارف کے عطا کی تھی- فرمان اس کا فقیر کے ماموں صاحبان کے موجود-

فقط ( یعنی مولانا نور احمد چشتی کے ماموں )

بعد از وفات حضرت کے جو حاکم آتا رہا سو وہ معافی بحال رکھتا رہا - چنانچہ صلبا بعد صلب میاں محمد بخش صحاف تک زر جاگیر وصول ہوتی رہی-

بعہد مہاراجہ صاحب جب بابو باج سنگھ المشہور بابو رائے یہاں کا جاگیر دار ہوا تو وہ بھی بدستور غلہ میاں محمد بخش صحاف کو دیتا رہا - بعد ازاں عملداری سرکار انگریز 1906 بکرمی میں بابو گیان سنگھ نے ادائے زر معافی سے انکار کر کے کہا کہ پندرہ بیگھ زمین لایق زراعت مع چاہ مسدودہ لے کر آباد کرالو- چنانچہ یہ حال داخل کاغذات بندوبست بھی ہو گیا-

پھر حافظ بخش و خیر دین و فضل الدین ہر سہ برادران نے واسطے آراستگی ڈل کے تجوزی چرخ چوب کی کر کے از سر نو ڈال کو کھدوایا اور ہر طرح سے بصرف زر خود زمینوں چاہ کے آراستہ کیا- بعد چندے بابو گیان نے ان سے بے خبر اس چاہ نو تردد کو فروخت کر لیا- یہ سجادہ نشینان ناواقف قانون سرکار تھے دم بخود ہو کر چپ ہو رہے-مگر اب کہتے ہیں کہ بوقت بندوبست جدید دعوی کریں گے-

آگے صفحہ 406 پر یہ عنوان' خرخشہ' تحریر ہے کہ

سن 1264 میں شرف الدین سجادہ نشین درس میاں وڈا نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی- چنانچہ با محکمہ بندوبست باجلاس پنڈت مدن پھول بہادر یہ مقدمہ پیش ہوا- اور میاں فضل الدین و خیر الدین نے یہ فیصلہ پایا کہ سجادہ نشین اور مالکان مکان اولاد میاں محمد بخش صحاف ہیں- فقط

## چبوترہ خانقاہ پر موجود قبور کا ثبوت:

صفحہ 409 پر تحریر ہے

میاں جان محمدؒ جد بزرگوار میاں فضل الدین صحاف---قبر ان کی بطور قبور عامہ احاطہ حضرت قاری حامد ہوئی

صفحہ 409 پر معاہدہ ہے جس کی رو سے میاں احمد الدین قبضہ سے دست بردار ہوئے اور تحریر کیا " چونکہ قدیم سے قبرستان صحافاں (صدیقی خاندان) کا احاطہ اس احاطہ قاری حامد میں واقع ہے کوئی ان کو قبر کرنے سے حال و استقبال میں مانع نہ ہو-ان کی بدستور قبور وہاں ہوتی رہیں۔

آگے تحریر ہے میاں احمد دین نے لکھ دیا کہ ازانجا کہ قبور خاندان میاں محمد بخش صحاف مرحوم قدیم سے وہاں ہوتی ہیں-آئندہ کے واسطے بھی بدستور ہوا کریں- ہمارے (صفحہ 410 ) خاندان میں سے نہ میری اولاد کبھی مانع

کرنے کبھی قبور کی ہو گی اور آپس میں بعد قسم مغلظہ صفائی اس اقرار پر ہو گئی اور اس اقرار کا اقرار نامہ تحریر ہوا اور اس پر اشخاص مفصلہ ذیل کے العبد ہوئے

العبد فقیر احمد الدین ولد حافظ شرف الدین سجادہ نشین خانقاہ میاں وڈا صاحب

العبد محمد عظیم الدین ولد احمد دین (ولد حافظ شرف الدین سجادہ نشین خانقاہ میاں وڈا صاحب)

العبد امام الدین ولد احمد الدین ( ولد حافظ شرف الدین سجادہ نشین خانقاہ میاں وڈا صاحب)

العبد محمد دین ولد احمد الدین (ولد حافظ شرف الدین سجادہ نشین خانقاہ میاں وڈا صاحب)

العبد چراغ دین (چراغ دین بن حافظ خیر الدین بن محمد بخش صحاف)

العبد رمضان پسر خیر الدین (رمضان بن حافظ خیر الدین بن محمد بخش صحاف)

العبد امیر بخش پسر خیر دین (امیر بخش بن حافظ خیر الدین بن محمد بخش صحاف)

## احاطہ قاری حامد رحمت اللہ علیہ میں صدیقی خاندان کی قبور

تحقیقات چشتی کے صفحہ نمبر 920 پر تحریر کرتے ہیں 'قبور خاندان میاں رحمت اللہ'

جب حافظ رحمت اللہ ؒ فوت ہوئے تو میاں محمد بخش صحاف نے قبر ان کی وہاں کی۔

بعد اس کے بھائی میاں محمد بخش صاحب کا مسمی احمد بخش مجلدی بھی وہاں دفنایا گیا۔

اور ماسوا اس کے مفتی علی الدین صاحب داماد میاں محمد بخش صاحب بھی وہیں مدفون ہوئے۔

آگے تحریر ہے

## تفصیل قبور خاندان میاں محمد بخش صاحب صحاف ؒ

### موجودہ خانقاہ ہذا جو چبوترہ خام پر موجود ہیں

حافظ رحمت اللہ ؒ والد محمد بخش صحاف- احمد بخش پسر رحمت اللہ- میاں محمد بخش صحاف جن کی تاریخ وفات سن بارہ سو تریسٹھ (1263) ہے- حافظ بخش پسر محمد بخش- زوجہ محمد بخش صحاف- زوجہ حافظ بخش- والدہ فیض بخش- اللہ بخش ولد عنایت اللہ بن رحمت اللہ- ستار شاہ بن عنایت اللہ- زوجہ عنایت اللہ برادر میاں محمد بخش- بن محمد بخش صحاف- پیر بخش ہمشیرزادہ محمد بخش- امام الدین پسر ستار بن دختر عنایت اللہ- دختر فضل الدین عنایت اللہ- مولی پسر فضل الدین- دختر ستار- مفتی علی الدین سر رشتہ دار- ہمشیرہ زادہ مفتی علی الدین- دولتی ملازمہ علی الدین- چراغ دین بن خیر دین بن محمد بخش صحاف- ہمشیرہ مفتی علی الدین-

قبور خاندان رحمت اللہ۔ احاطہ قاری حامد مغلپورہ ۔

لاہور اس مدرسہ کا قیام 1051ھ میں ہوا تھا اور اس میں مسجد کی تعمیر 1114ھ میں ہوئی۔ قبور جو سب مرکزی چبوترہ پر موجود ہیں۔

ان میں قاری حامد متوفی 1166ھ اور حافظ جان محمد متوفی 1199ھ کے علاوہ بقول نور احمد چشتی کہ جب حافظ رحمت اللہ وفات پا گئے تو محمد بخش صحاف نے اپنے والد کو وہاں دفن کیا۔ اسکے بعد جو دفن ہوئے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

1۔ رحمت اللہ ولد حافظ جان محمد ؒ

2۔ احمد بخش مجلدی ولد رحمت اللہ (برادر محمد بخش صحاف)

3۔ محمد بخش صحاف ولد رحمت اللہ متوفی 1263ھ

4۔ حافظ بخش ولد محمد بخش صحاف

5۔ محمد بخش صحاف اور حافظ بخش کے لواحقین

6۔ مفتی علی الدین داماد محمد بخش صحاف

7۔ زوجہ محمد بخش صحاف

8۔ زوجہ حافظ بخش

9۔ والدہ فیض بخش (یہاں غالباً حافظ بخش کی دوسری زوجہ کا ذکر ہے)

10۔ اللہ بخش بن عنایت اللہ بن رحمت اللہ

11۔ ستار بن عنایت اللہ

12۔ زوجہ عنایت اللہ برادر محمد بخش صحاف

13۔ برادر محمد بخش صحاف

14۔ دختر عنایت اللہ

15۔ دختر فضل الدین بن محمد بخش

16۔ پیر بخش ہمشیرہ زادہ محمد بخش صحاف

17۔ امام الدین بن ستار بن عنایت اللہ

18۔ مولا بخش بن فضل الدین

19۔ دختر ستار بن عنایت اللہ

20۔ مفتی علی الدین سر رشتہ دار

21۔ ہمشیرہ زادہ مفتی علی الدین

22۔ دولتی ملازمہ مفتی علی الدین

23۔دختر چراغ دین بن خیر دین بن محمد بخش صحاف

24۔ہمشیرہ مفتی علی الدین

اس جگہ قبور میں جو اضافہ ہوا ہے وہ جمال الدین ولد فیروز الدین صدیقی کی قبر کا ہے۔

(اس سلسلہ میں مزید تفصیلات انساب صدیقی اور یادگار صدیقی میں بیان کی گئی ہیں)

## کتاب ' لاہور کے اولیاء سہروردی' سے اقتباس

صفحہ 207 پر شیخ حامد قاریؒ سہروردی لاہوری کے ضمن میں تحریر ہے۔

آپ کے والد کا نام شیخ حسن عالم تھا۔ قرات قرآن پاک میں بہت نام پیدا کیا۔ زہدوورع میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ولادت آپ کی 1071ھ بمطابق 1660ء عہد محمد شاہ میں ہوئی اور محلہ نور میں مقیم تھے۔

بیعت آپ نے مولوی تیمور لاہوری سے کی تھی۔ ان کا شجرہ مرشدی اس طرح ہے۔ مولوی تیمور لاہوری مرید شیخ عبدالکریم مرید مخدوم طیب مرید مخدوم برہان مرید مخدوم چنن مرید شیخ سیلون مرید حسان الدین متقی مرید شیخ صدر الدین مرید شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی مرید شیخ شہاب الدین عمر سہروردی مرید شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی۔

آپ بڑے عالم فاضل اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ جس جگہ آپ مدفون ہوئے وہیں درس دیا کرتے تھے۔ مسجد قدیم اب تک موجود ہے جو آپ نے 1728ء میں بنوائی تھی مگر ریلوے ورکشاپس کے اندر آجانے کی وجہ سے غیر آباد ہے کیونکہ اندر جانے کے راستہ آہنی جنگلہ سے ہر وقت بند رہتا ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی یہاں ایک زمانے میں تالاب تھا جس کا طور 24 فیٹ اور عرض 14 فیٹ تھا یہ تالاب تین فیٹ گہرا تھا۔

حکام شاہی آپ کی خدمت سے بہت فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ قرآن خوانی آپ پر ختم تھی، اس وجہ سے قاری کا خطاب ملا تھا۔ آپ نے ایک رسالہ حرمت حقہ و تمباکو میں تحریر فرمایا اور آپ کے ایک مرید نے آپ کے ملفوظات اکٹھے کیئے۔

محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں آپ کا فتوی لاہور میں چلتا تھا۔ بہت ناموری اور شہرت حاصل کی تھی۔

صفحہ نمبر 208 ' مدرسہ حامد قاری' کے ضمن میں تحریر ہے

آپ نے ایک مدرسہ قرآن پاک و ناظرہ و حفظ کیلئے بھی یہاں کھولا ہوا تھا۔ جس کے اخراجات کیلئے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگھہ زمین مزروعہ وقف کی ہوئی تھی اور بعد ان کے جو حاکم بھی آتا رہا یہ معافی بحال رکھتا رہا۔ اور سکھوں کے عہد میں یہ معافی ضبط ہوئی۔ نواب ابوالحسن آصف خان نے جو مدرسہ بنوایا تھا آپ اس کے ناظم اعلی تھے اور لاکھوں روپوں کے سالانہ اخراجات آپ کے ہاتھوں ہوتے تھے۔

مزار پر انورویٹ مین روڈ نزد مقبرہ نواب علی مردان خان کے ساتھ ایک چار دیواری میں واقع ہے جہاں آنا جانا بہت مشکل ہے۔

وفات 1655ء مصنف' حدیقتہ اولیاء' مفتی غلام سرور نے تحریر کی ہے جو کہ شہاب الدین شاہجہاں کا عہد حکومت ہے۔ 95سال آپ کی عمر تھی، مصنف ' تحقیقات چشتی' نے آپکی تاریخ وفات 1166ھ بمطابق 1752ء بعہد خان بہادر ناظم لاہور تحریر کی ہے۔اور مصنف' تاریخ لاہور' نے تاریخ وفات 1164ھ تحریر کی ہے۔

اس قدیم قبرستان میں بہت سی قبور ہیں۔بڑ کا ایک قدیم درخت اور نیم کے بہت سے درخت موجود ہیں۔گھاس پھوس کی بھی کثرت ہے۔عرس دسمبر کے مہینہ میں ہر سال ہوتا ہے۔

مفتی صاحب نے تاریخ وفات اس طرح تحریر کی ہے۔

حامد آں قاری قرآن عظیم بود محبوب جناب ذوالمنن

افضل واقطاب والد جاہ گو سال تولیدش با قول ضمن

بہر تاریخ وصال آنجناب گفت سرور حافظ و حامد حسن

احاطہ قبرستان میں بیشمار خاندانی قبور کے مفتی علی الدین سر شتہ دار اور خیر الدین والد مفتی علی الدین لاہوری کی قبور ہیں۔ غیاث الدین صدیقی صاحب خلف جمال الدین صدیقی مرحوم سے مزید درج ذیل حالات ملے ہیں۔

حافظ جان محمدؒ سہروردی -صفحہ 209

حضرت حامد قاری چونکہ لاولد تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور مرید حافظ جان محمد سہروردی مدرس اعلی اور امام مسجد مقرر ہوئے۔ان کو خانقاہ کی تولیت عہد خان بہادر نواب زکریا خان ناظم لاہور میں ملی۔

آپ محمد شاہ روشن اختر اور عالمگیر ثانی کے زمانہ میں لاہور کے ایک نہایت عالم اور فاضل بزرگ تھے۔بقول مصنف' تحقیقات چشتی' آپ نواب ذکریا خان کے اتالیق تھے۔آپ کا شاگرد نواب یحیی خان آپ کا بہت معتقد تھا۔آپ کا مزار اندرون چار دیواری واقع ہے۔ نزدیک ہی ون کا درخت ہے۔

## حافظ رحمت اللہ ؒ سہروردی -صفحہ 210

آپ حافظ جان محمد سہروردی کے فرزند ارجمند تھے-آپ کا درس بھی خانقاہ میں بدستور جاری رہا-

مغلیہ سلطنت کے زوال اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے سبب مغلپورہ سے اندرون شہر منتقل ہوگئے اور شہر میں درس شروع کردیا-کوچہ حافظ رحمت اللہ نزد چوہٹہ مفتی باقر خرادی محلہ آپ کے نام سے آج تک مشہور و معروف ہے-آپ کی قبر اندرون چاردیواری یعنی احاطہ حضرت قاری سے باہر ہے- حافظ محمد بخش صحاف آپ کے فرزند تھے-

## حافظ محمد بخش صحاف ؒ-صفحہ نمبر210

آپ کا زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا-آپ کا مکتبہ صحافیہ بہت مشہور تھا-سکھوں کے عہد میں آپ نے تجارت کتب و صحافی کا ایک عظیم الشان کارخانہ کھولا-آپ کو امیر افغانستان کی طرف سے' ملک الصحاف' کا خطاب ملا تھا-

آپ کے کارخانہ کی تیار شدہ کتب ایران وخراسان تک برائے فروخت جاتی تھیں-قرآن مجید کی لکھائی اور چھپائی کا خاص انتظام تھا- وفات 1263ء ہے-مزار اندرون چاردیواری حضرت حامد قاری موجود ہے-

آپ کے تین صاحبزادے تھے-

1- حافظ بخش

ان کا مزار بھی اس احاطہ میں واقع ہے-ان کے صاحبزادے کا نام فیض بخش تھا

2- مولوی فضل الدین

ان کا مزار حضرت گھوڑے شاہ سہروردی کے مزار کے پاس تیزاب احاطہ میں واقع ہے- ان کے تین صاحبزادے تھے

مولوی سراج الدین، غلام محیی الدین المعروف مولا بخش، مولوی فیروز الدین

3 - حافظ خیر الدین

ان کا مزار بھی خاندانی قبرستان( قبرستان اندرون احاطہ حضرت قاری حامد) میں واقع ہے-آپ کے تین فرزند تھے

1۔ چراغ دین، 2 ۔رمضان، 3۔امیر بخش

مولوی فیروز الدین: صفحہ 211

والد کا اسم گرامی مولوی فضل الدین صدیقی تھا- وفات 1931ء میں ہوئی- آپکی قبر اپنے والد مولوی فضل الدین کے جوار میں بنی -

آپکے پانچ صاحبزادے تھے

1۔حاجی شاہ دین صدیقی، 2 –غلام محیی الدین صدیقی، 3 –منور الدین صدیقی، 4 –علامہ علاء الدین صدیقی سابق صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، موجودہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی اور 5 –محمد جمال الدین صدیقی-

## محمد جمال الدین صدیقی صفحہ نمبر212

آپ مولوی فیروز الدین صدیقی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے-سن ولادت 1889ء ہے-والد گرامی کی وفات کے بعد آپ درگاہ حضرت حامد قاری سہروردی، درگاہ حضرت شاہ عبد المنان حضوری برقعہ پوش ( ہال روڈ) ، درگاہ حضرت کریم شاہ سہروردی، اور درگاہ عبد اللہ گیلانی المعروف خانقاہ پیر روڑاں والی کے متولی تھے-آپ نے حضرت حامد قاری ؒ کے کچے احاطہ کو گرہ خاص سے پختہ کرایا- نیا کنواں کھدوایا مزید برآں کوشش کرکے چار دیواری حضرت قاری حامد کے چاروں کونوں پر بجلی کے چار پول لگوائے-حضرت کریم شاہ سہروردی کے مزار اور تعویذ کی مرمت کروائی-

یہ مزار میاں معراج دین ممبر اسمبلی کی کوٹھی اور ویٹ مین روڈ کے مقام اتصال پر ہے-حضرت عبد المنان نقشبندی کے مزار کا راستہ سڑک کی طرف کروایا اور فرش لگوایا، چاہ پانی وائیاں والا کو بند کروا کر ہینڈ پمپ لگوایا- پیر روڈاں والا ( نواب علی مردان خان کا مرشد) کا مزار جس پر کسی زمانہ میں بہت عظیم الشان گنبد تھا اب قبر سطح زمین کے برابر تھی آپ نے درست کرایا- نیز آپ حضرت حامد قاری ؒ کے عرس سے فارغ ہو کر شام کو یہاں بھنڈارہ تقسیم کرانے کا اہتمام کرتے تھے-آپ بہت اچھے مصور تھے-آپ کی قبر بھی اندرون احاطہ حضرت حامد قاری ؒ واقع ہے-

وفات 14 جولائی 1965ء کو ہوئی-آپ کے بچوں کے نام ضیاء الدین احمد صدیقی، سعید الدین صدیقی، غیاث الدین صدیقی تھے-

بحوالہ: لاہور کے اولیاء سہر ورد– محمد دین کلیم– لاہور 1997ء

نوٹ: میں مؤلف یہاں بیان کرتا ہوں کہ بعد ازاں سعید الدین صدیقی ولد جمال الدین صدیقی جب یہاں کے متولی تھے تو میری ان سے ملاقات ہوئی تھی اور انکے پاس ہی اس احاطہ قاری حامد کی چابی تھی– بعد از وفات ان کے بیٹے حامد نے اس نے اس احاطے کی تولیت سنبھالی–ان کی وفات کے بعد صداقت حسین صدیقی بن انور حسین صدیقی بن اشفاق حسین صدیقی اس احاطہ کے متولی بنے–

تفصیلات کیلئے دیکھئے کتاب' انساب صدیقی' اور' یادگار صدیقی' ۔

## کتاب 'تذکرہ علمائے اہل سنت والجماعت لاہور' سے اقتباس

صفحہ 111 نمبر پر' مدرسہ ابوالحسن تربتی' کے ضمن میں تحریر ہے

' لاہور کا یہ مشہور مدرسہ مغلپورہ میں واقعہ تھا۔نواب ابوالحسن خان شاہجہان کے عہد میں وزارت عظمی پر فائز تھا مگر اشاعت علوم اسلامیہ کا بڑا دلدادہ تھا۔ وہ 1051ھ بمطابق 1641ء میں فوت ہوا اور بڑی جائیداد چھوڑی۔ نواب مرحومہ کی بیگم مخدومہ جہاں کہلاتی تھی۔وہ اسلامی علوم میں بڑی ماہر تھی۔اس نے اپنے خاوند کے ایصال ثواب کے لئے یہ مدرسہ بطور یادگار صدقہ جاریہ بنایا۔

ایک ہزار حافظان مقرر ہوئے جو دن رات نواب مرحوم کے مزار پر تلاوت قرآن کرتے۔ یہ نیک خاتون 1066ھ بمطابق 1656ء بروز پیر 4 شعبان کو فوت ہوئی اور اسی مقبرہ میں دفن ہوئی۔

اس مدرسہ میں مولانا حامد قاری ؒ درس دیا کرتے تھے۔مولانا حامد قاری بڑے فصیح اور خوش بیان واعظ تھے۔لوگ دور دور سے آپ کے پاس چل کر آتے اور استفادہ کرتے۔آپ 1166ھ بمطابق 1752ء کو فوت ہوئے اور مدرسہ کے ایک گوشہ میں دفن ہوئے( بحوالہ علمائے کرام اور دینی مدرسے۔از مولانا علم الدین سالک) آپ کے ملفوظات اور حرمت حقہ بہت مشہور کتابیں تھیں آپ کی وفات کے بعد حافظ رحمت اللہ ؒ صدر مدرس مقرر ہوئے۔لاہور سکھاشاہی نے اس مدرسہ کو بھی ویران کر دیا۔ یہ مدرسہ ریلوے سٹور کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہے

بحوالہ: تذکرہ علمائے اہل سنت والجماعت لاہور۔اقبال احمد فاروقی - مکتبہ نبویہ لاہور 1987ء

# کتاب' مدینۃ اولیاء لاہور' سے اقتباس

1. اس کتاب کے صفحہ نمبر 380 پر' حضرت شیخ حامد قاری ؒ سہروردی'

کے ضمن میں تقریباوہی باتیں تحریر کی گئی ہیں جو' لاہور کے اولیاء سہرورد' میں تحریر ہیں۔

2. صفحہ نمبر 382 سے لیکر 384 تک' حافظ جان محمد سہروردی' کا تعارف اور تذکرہ ہے اور
3. اسی صفحہ پر ' حافظ رحمت اللہ سہروردی' کا تذکرہ ہے۔اس کے علاوہ' حافظ محمد بخش صحاف' اور ان کی آل
4. اولاد کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

نوٹ:

حافظ جان محمد ؒ اور ان کے پوتے حافظ محمد بخش صحاف ابن حافظ رحمت اللہ ؒ کے علاوہ حافظ بخش ابن حافظ محمد بخش صحاف اور ان کے بیٹے فیض بخش ابن حافظ بخش کی قبور کو مزار بناتے وقت توڑ پھوڑ کر کے بے حرمتی کی گئی اور ان کی جگہ مزار کے اندر پتھر کی سلیبیں رکھ دی گئی ہیں۔

صرف ان میں حافظ رحمت اللہ ؒ ابن حافظ جان محمد ؒ کی قبر جو مزار کے باہر کی طرف تھی ان ظالموں کے دست برد سے محفوظ ہے۔

حوالہ: مدینۃ اولیاء لاہور۔محمد دین کلیم۔اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

# شیخ حامد قاریؒ

آپ کی ولادت بعہد عالمگیر1071ھ / 1660ء ہوئی۔ والد کا نام حسن، علوم ظاہر و باطنی زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔"اولیائے لاہور" کے مطابق 1782ء میں آپ جہاں درس دیا کرتے تھے مسجد بنوائی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ آپکے ملفوظات اور رسالہ حرمت حقہ ہے (اس کا قلمی نسخہ وزیر الحسن عابدی ریڈر شعبہ فارسی پنجاب کے ذاتی کتب خانہ میں ہے) حالانکہ یہ غلط ہے اور آپ کا انتقال 1752ء میں ہو چکا تھا۔

یہ سلسلہ سہر وردی کے بزرگ تھے۔ شجرہ تصوف اس طرح ہے ۔ مولوی تیمور لاہوری ، شیخ عبدالکریم ، مخدوم طیب ، مخدوم برہان، مخدوم چنن ، شیخ میلون، حسام الدین متقی، شیخ صدر الدین ، شیخ بہاؤالدین ذکریا ، شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی ۔

مغل بادشاہ محمد شاہ کے عہد میں آپ کا فتویٰ لاہور میں چلتا تھا۔ بہت ناموری اور شہرت حاصل کی۔

وفات بعمر 95 برس 1166ھ میں بعہد خان بہادر ناظم لاہور ہوئی۔ایک زمانے میں آپ کی رہائش مزار علی ہجویری کے متصل رہی اور وہاں ہی شاہ محمد غوث "رسالہ غوثیہ"میں اپنے لاہور آنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " پھر حضرت کے ارشاد غیبی کے مطابق آپ شیخ حامد کے پاس پہنچے جو مزار علی ہجویری کے متصل رہا کرتے تھے اور لاہور کے خدا رسیدہ بزرگ تھے"

مصنف "حدیقتہ اولیاء" مفتی غلام سرور متوفی1307ھ /1890ءنے صفحہ266پر حاشیہ تحریر کیا ہے جسکے مطابق شیخ حامد قاری کے۔مکتوبات حامدیہ قلمی،رسالہ مسائل مہم قلمی،رسالہ جواز نماز قلمی وغیرہ مملوکہ محمد اقبال مجددی ہیں۔

رسالہ دیگر مسائل مہم قلمی ذخیرہ مولانا غلام محی الدین قصوری مخزونہ کتاب خانہ گنج بخش روڈ راولپنڈی۔

شیخ حامد قاری کے سخنان کا ایک اور مجموعہ انکے شاگرد مولانا عاقل لاہوری نے " تحفتہ المسلمین " کے نام سے مرتب کیا تھا جس میں انہوں نے شیخ حامد سے لیکر شیخ بہاء الدین ذکریا تک پنجاب کے اکابر علماء کے حالات لکھے تھے اسکا قلمی نسخہ محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے

(کتابیات - اولیائے لاہور، مدینۃ اولیاء ، تحقیقات چشتی ، نقوش لاہور نمبر، حدیقۃ اولیاء میں آپ کی وفات 1655ء تحریر ہے جو کہ شاہجہان کا عہد تھا۔ تاریخ مشائخ پاک و ہند صفحہ 101 تا 105 ، تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور، لاہور کے اولیاء سہروردی ، بزرگان لاہور، یادگار سہروردیہ ، تذکرہ صوفیائے پنجاب، انساب صدیقی، یادگار صدیقی)

## مدرسہ ابوالحسن تربتی دیگر اہم معلومات

یہاں ایک قدیم کنواں اور برگد کا درخت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ 500 سال قدیم ہے یہاں مزارات اور اس جگہ کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور ہیں اور کئی پراسرار کہانیاں مشہور ہیں ان سب کی تفصیل ہفت روزہ تصویر پاکستان کی یکم اکتوبر 1993ء کی اشاعت میں بیان کی گئی ہیں جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان مزارات پر صبح کے وقت سانپ حاضری دیتے ہیں اور ایک کالے رنگ کا اژدھا بھی پایا جاتا ہے جس کی لمبائی تقریباً 25 فٹ ہے وغیرہ وغیرہ ۔ یہ مضمون محسن جعفر نے تحریر کیا ہے اور اس میں واقع قدیم برگد کے درخت، مسجد اور کنویں وغیرہ کی تصاویر شامل کی گئی ہیں۔

اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے مغل بادشاہ محمد شاہ نے پچاس بیگہ زمین مزروعہ وقف کی ہوئی تھی اور ان کے بعد جو بھی حاکم آتا رہا اس معافی کو بحال رکھتا رہا سکھوں کے عہد میں یہ معافی ضبط ہوئی۔اس میں قائم مسجد 1114ھ یا 1141ھ میں تعمیر ہوئی۔ مسجد میں لکھے ہوئے ایک شعر سے " تاریخ لاہور" میں تعمیر 1114ھ تاریخ نکالی گئی ہے۔

قاری حامد کی وفات بعمر 95 برس 1166ھ میں بعہد خان بہادر ناظم لاہور ہوئی۔

## کتابیات:

اولیائے لاہور، مدینۃ اولیاء، تحقیقات چشتی، نقوش لاہور نمبر،

حدیقت اولیاء میں آپکی وفات 1655ء تحریر ہے جو کہ شاہجہان کا عہد تھا۔

تاریخ مشائخ پاک وہند صفحہ 101 تا 105، تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور،

لاہور کے اولیاء سہرورد، بزرگان لاہور، یادگار سہروردیہ، تذکرہ صوفیائے پنجاب

مخدومہ بیگم ونواب ابوالحسن خان کیلئے دیکھئے

تفصیلات نقوش لاہور نمبر صفحہ (291 تا 296)

فہرست مخطوطات شفیع جسے ڈاکٹر محمد بشیر نے مرتب کیا تھا اس میں ذکر ہے کہ عبدالرحمن چشتی مصنف" مراۃ الاسرار" نے 1065ھ میں مکمل کی تھی اور وہ شیخ حامد کے شاگرد تھے اور غالباان ہی کی کتاب "اوراد چشتیہ" کے مصنف کی تاریخ وفات 1094ھ تحریر کی ہے (صفحہ 311،539)

تاریخ جلیلہ میں صفحہ 208 پر قاری حامد اور حافظ جان محمد کا ذکر ہے۔

## احوال مدرسہ قاری حامدؒ بمطابق ' تحقیقات چشتی '

مولوی نور احمد چشتی کی کتاب "تحقیقات چشتی" سے مندرجہ ذیل معلومات درج کی جارہی ہیں تاکہ 1864ء / 1281ھ میں جب یہ کتاب چھپی تو مدرسہ کے حالات کے بارے میں اندازہ ہوسکے۔

"یہ خانقاہ لاہور کے شرق رویہ بفاصلہ دو کوس شرق رویہ پر آیا بدھو و جنوب رویہ مقبرہ علی مردان خان ایک چار دیواری خشتی قد آدم بلند جس کا راستہ آمد و رفت جنوب رویہ مع چوکھٹ چوبی خشتی، بجائے طاق ایک تختہ کانہ بطور کھڑکی پھڑا ہوا ہے، موجود۔جب اندر اس کے جاویں تو دیوار جنوبی کے شمال رویہ مائل بغرب ایک چاہ پختہ چرخی وار اس کے شمال کی طرف دو غسل خانہ پختہ اور ان غسل خانوں کی پشت (ص358) کی طرف اور چار دیواری کے غرب رویہ ایک مسجد پختہ چونہ گچ ایک گنبد والی جو اندر سے تمام سفید ،بطرف غرب اندر مسجد کے، ایک محراب کلاں درمیان اور شمال و جنوب اس سے خرد میانہ کے اوپر

افضل الذکر لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

اور اسکے نیچے پھر دوطرف یا فتاح چونہ پر لکھا ہوا

ہے اور محراب شمالی خرد پر یہ لکھا ہوا ہے۔

محمد عربی کا بروی ہر دو سراست

کسی کہ خاک درش نیست خاک بر سراد

شرق رویہ باہر کی طرف تین دھن محرابی ،ایک میانہ بلندجس کے نیچے اور محراب بطور دروازہ ، اب بغلوں والی شمالی و جنوبی اینٹوں سے بند فقط ، میانہ کشادہ محراب شمالی پر یہ تحریر ہے۔

خداوندراشکردارم بیاد

چہ خوش مسجد ازوست مسکیں نہاد

اور میانہ دھن میں

اللہ، محمد وابو بکر و عمر و عثمان و علی لکھا ہے

اور دھن جنوبی پر یہ بیت تحریر ہے۔بیت

خرد گفت از سال تاریخ آن

زآفات دوران زوالش مباد سن 1114ھ

اندر باہر فرش خشتی ،شرق رویہ صحن مسجد کے ایک تالاب تین فٹ مرتفع جس کا طول آٹھ گز اور عرض ساڑھے چار گز ۔مگر اب سوکھا پڑا ہے۔شمال مسجد میں جو کوٹھ جنوب رویہ ہے

اس میں دم تحریر رجب علی نامی فقیر بیٹھایا ہوا ہے۔ میاں احمد دین سجادہ نشین درس میں

وڈا کا ہے۔اس کوٹھ کے شرق رویہ زینہ اوپر جانے کا ۔فقط

مزار:

اس چار دیواری کے باہر ۔غرب رویہ ،ذرا فاصلہ سے اور دو چبوترہ پختہ چونہ گچ کھڑے ہیں۔ایک چبوترہ پر دو قبریں دوسرے پر ایک نامعلوم الاسم اندر چار دیواری ہذا کے ایک درخت کریر و کیکر کلاں اور چار کیکر خرد اور پانچ درخت بہیاں سایہ فگن ہیں۔چار دیواری بیرونی کے شمالی رویہ دیوار قدرے میانہ سے مسمار ہو گئی ہے حتی کہ وہاں سے آدمی اندر آ جا سکتا ہے" (تحقیقات چشتی صفحہ نمبر357)

جاگیر اور معافیاں : مدرسہ کیلئے محمد شاہ بادشاہ نے 50 بیگہ زمین مذروعہ برائے مصارف مدرسہ وقف کی ہوئی تھی جس کا فرمان مولوی نور احمد چشتی کے مطابق ان کے ماموں صاحبان (یعنی محمد بخش صحاف کی اولاد کے پاس موجود تھا) ( صفحہ 357 تحقیقات چشتی)

" بعد از وفات حضرت کے جو حاکم آتا رہا سو وہ معافی بحال رکھتا۔ چنانچہ صلب بعد صلب محمد بخش صحاف تک زر جاگیر وصول ہوتی رہی " ۔ "بعد مہاراجہ صاحب جب بابو باج سنگھ المشہور بابو رائے یہاں کا جاگیر دار ہوا تو وہ بھی بدستور غلہ میاں محمد بخش صحاف کو دیتا رہا۔ بعد ازاں عملداری سرکار انگریز 1906 بکرمی میں بابو گیاں سنگھ نے ادائے زر معافی سے انکار کر کے کہا کہ پندرہ بیگہ زمین لائق زراعت مع چاہ مسدودہ لے کر آباد کرا لو۔ چنانچہ یہ حال داخل کاغذات بندوبست بھی ہو گیا۔ پھر حافظ بخش ، خیر دین و فضل الدین ہر سہ برادران (محمد بخش صحاف کے بیٹے ) نے واسطہ آراستگی ڈل کے تجوزی چرخ چوب کی کرکے از سر نو ڈال کر کھدوایا اور ہر طرح سے بصرف زر خود زمین و چاہ کو آراستہ کیا۔ بعد چندے بابو گیان سنگھ نے ان سے بے خبر چاہ نو تردد کو فروخت کردیا۔ یہ سجادہ نشین واقف قانون سرکار تھے دم بخود ہو کر چپ رہے ۔ مگر اب (اس دور میں ) کہتے ہیں کہ بوقت بندوبست جدید دعوی کریں گے " (صفحہ 358 اور 359 تحقیقات چشتی)

1264 ھ / 1848ء میں شرف الدین درس میاں وڈا کے سجادہ نشین نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ با محکمہ بندوبست با جلاس پنڈت مدن پھول صاحب بہادر یہ مقدمہ پیش ہوا اور فیصلہ محمد بخش صحاف کی اولاد حافظ بخش، فضل الدین صحاف اور خیر الدین کے حق میں ہوا کہ وہی جائز وارث ہیں۔ اس کے بعد کئی صفحات پر مولوی نور احمد چشتی نے "تحقیقات چشتی" میں اس واقعہ کی تفصیل درج کی ہے (صفحہ 360 سے 362 ملاحظہ فرمائیں)

مختصر یہ ہے کہ درس میاں وڈا کے سجادہ نشین احمد الدین بن شرف الدین نے کہا کہ میں

معافیات متعلقہ خانقاہ حامد قاری کا خواہاں نہیں ۔چونکہ قدیم سے قبرستان صحافاں (صدیقی خاندان و لواحقین کی قبور) کا احاطہ اس احاطہ حامد قاری میں واقع ہے کوئی ان کو قبر کے کرنے سے حال و استقبال میں مانع نہ ہواور انکی بدستور قبور وہاں ہوتی رہیں اور آئندہ بھی بدستور ہوتی رہیں گی۔

مندرجہ بالا واقعہ میں اہل خاندان کیلئے بعض تاریخی حقائق کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو اس زمانے کے حالات کے بارے میں بہت اہم ہے۔

اس میں حافظ بخش بن محمد بخش صحاف کا تذکرہ کئی مرتبہ آیا ہے۔

حافظ محمد بخش صحاف کے بیٹوں کے پاس فرمان شاہی موجود تھا ۔ یہاں میاں وڈا کے درویش کو بٹھانا ہی وجہ تنازعہ بنا جس کو قبضہ ثابت کرنے کی کوشش میں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ۔ اسکے علاوہ بزرگان خاندان پیری مریدی سلسلہ چلانے کے قائل نہیں تھے اور صرف حفاظت کی غرض سے درویش کو بٹھایا گیا۔

یہ بھی پتہ لگا کہ سکھا شاہی میں یہ علاقہ ویران ہوا تو اہل خاندان (صدیقی خاندان ) اندرون لاہور شہر میں چلے گئے اور کار سرکار میں مصروف ہوئے۔

حسب الحکم فقیر نورالدین کے ہزار روپیہ عطیہ سرکار انکے ہاتھ سے فقراء کو تقسیم ہونے لگا تو انہوں نے مدرسہ قاری حامد پر ایک فقیر بٹھادیا جو مدتوں بیٹھارہا۔ پھر میاں شرف الدین نے بھی اپنا ایک درویش یہاں بٹھا دیا شاید وہی باعث تنازعہ بنا تھا۔ یہ 1220 ھ /1805ء کا یا اس سے کچھ پہلے یا بعد کا واقعہ ہے ۔ یہ بھی پتہ لگا کہ بزرگان فضل الدین صحاف بوقت آبادی بیرونی شہر محلہ بھاگو تانگری والہ میں امام مسجد تھے جو مدرسہ قاری حامد کی شمال کی سمت تھا۔ یہ سب تفصیلات تحقیقات چشتی میں درج ہیں۔ واللہ عالم بالصواب۔

بحوالہ: تحقیقات چشتی، یادگار چشتی، انساب صدیقی، یادگار صدیقی

# مفتی علی الدینؒ بن مفتی خیر الدین

وفات 9 ذی الحج 1277 ھ بمطابق 18 جون 1816ء

دفن لاہور احاطہ قاری حامد (مدرسہ ابوالحسن ترہتی)

شجرہ: مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن مفتی یوسف -

مفتی ابو بکر بن مفتی خیر الدین آپکے بھائی تھے-

مفتی جلال الدین قاضی لاہور آپکے بیٹے اور

مفتی حفیظ الاسلام آپ کے پوتے تھے-

مصنف 'عبرت نامہ' نے یہ کتاب 1270ھ (1854ء) میں تحریر کی تھی جسے لندن آفس

لائبریری سے حاصل کر کے شائع کیا گیا سکھ عہد کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے

(اولیائے قصور مولوی محمد شفیع صدر دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور 1972ء

صفحہ 200 تا 202)

ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے "لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات" میں جو تفصیلات تحریر کی ہیں انکے مطابق مفتی علی الدین کے والد کا نام مفتی خیر الدین اور دادا کا نام غلام محمد سادہ کار تھا جبکہ پردادا کا نام مفتی محمد یوسف تھا اور انکے والد کا نام صاحب جان بتایا ہے-

مفتی علی الدین کے بزرگ عہد درانی میں حصول علم کے بعد قضاوت کے عہدے تک پہونچے تھے-

مفتی علی الدین کے بڑے بھائی کا نام مفتی ابو بکر تھا جو 1265ھ بمطابق 1849ء کو فوت ہوئے انکی

اولاد کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔

مفتی علی الدین کی شادی محمد بخش صحاف کی بیٹی آمنہ سے ہوئی اور آمنہ کی دوسری بہن خیر النساء کی شادی مولوی احمد بخش یکدل سے ہوئی۔ جن کے صلب سے مولوی نور احمد چشتی متولد ہوئے۔ مولوی احمد بخش یکدل اور مفتی علی الدین ہم زلف تھے اور مولوی نور احمد چشتی کے حقیقی خالو تھے۔ مفتی علی الدین کی وفات 9 ذوالحجہ 1277 ھ / 18 جون 1860 ء کو ہوئی۔ عمر بوقت وفات 50 سے کم تھی اس حساب سے پیدائش 1810 یا 1811ء رہی ہو گی۔

آپکے بیٹے مفتی جلال الدین 1859 ء میں انگریز گورنمنٹ کی طرف سے لاہور کے قاضی تھے۔ مفتی جلال الدین کی شادی قاضی مسیح الدین کی بیٹی سے ہوئی جو رنجیت سنگھ کے عہد میں قضاوت کے عہدے پر ممتاز تھے۔ مفتی جلال کے بیٹے مفتی حفیظ الاسلام تھے جن کی شادی مولوی فضل الدین صحاف کی بیٹی بیگم عرف بیگاں سے ہوئی مفتی حفیظ کا انتقال 24 ستمبر 1897ء کو ہوا۔

حوالہ:

تحقیقات چشتی، انساب صدیقی، لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات، اور یادگار صدیقی

# حافظ جان محمدؒ

وفات 5 جمادی الاول 1199ھ / 1785ء لاہور اور قبر احاطہ قاری حامد مدرسہ ابوالحسن تربتی میں عین قبر قاری حامد کے برابر قبر میں دفن ہوئے۔

شجرہ نسب:

حافظ جان محمد بن سعد اللہ بن رزق اللہ بن عطاء اللہ بن محمد سید بن عبداللطیف بن احمد سعید بن نعمت اللہ غزنوی بن قطب اللہ بن محمد جمیل بن محمد سلطان بن لطف اللہ بن محمد صالح بن عبدالواحد بن محمد قاسم بن عبداللہ بن عبدالواسع بن احمد اللہ بن ابوالقاسم بن عبدالعزیز بن ابواسحٰق بن عبدالباسط بن عبید اللہ بن ایوب بن عمر بن ابوسعید بن یعقوب بن ابوبکر ثانی بن احمد ثانی بن سیدنا عبداللہ بن سیدنا احمد بن قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کے حالات مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ جن میں تحقیقات چشتی ،مراۃ الانساب اور نظام رسالہ وغیرہ میں شامل ہیں۔ آپ مدرسہ ابوالحسن تربتی کے صدر المدرس تھے - جو اپنے وقت کا سب سے بڑا ، خوبصورت اور سب سے اہم جگہ پر واقع تھا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں اور یہاں آپ 33 برس طالب علموں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔

سکھ عہد میں جو اسلامی آثار اور مدرسوں کا حشر کیا گیا اس کا ثبوت یہ تعلیمی درسگاہ بھی ہے گو یہ اجڑ چکا ہے لیکن اسکی دینی خدمات اور تاریخی حیثیت کی وجہ سے حکومت نے اس کو محفوظ رکھا ہوا ہے اور سارا سال زائرین یہاں آتے رہتے ہیں۔اس مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جب جاری نہ رکھا جا سکا تو آپ کے بیٹے حافظ رحمت اللہؒ ترک سکونت کر کے اندرون شہر لاہور چلے گئے۔

مشائخ سہروریہ کے سلسلہ کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔موجودہ دور میں مدرسہ کی جگہ قبرستان نے لے لی ہے اور عقیدتمند سارا سال زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں۔

مراۃ الانساب کے مطابق آپ محمد شاہ رووشن اختر اور عالمگیر ثانی کے عہد میں لاہور کے نہایت عالم فاضل بزرگ گزرے ہیں آپ نواب ذکریا خان صوبہ دار لاہور کی اولاد کے اتالیق تھے۔ یہ زمانہ 1166ھ /1753ء کا ہے حکام وقت نے آپکو بہت سی جاگیریں عطا کی تھیں۔ جس کے فرمان، آپ کی اولاد کے پاس موجود تھے۔

آپ کے شاگرد نواب یحیٰ خان بن نواب بہادر خان صوبہ لاہور نے آپ کی بے شمار کرامتیں اپنی کتاب " سیرت الکاملین" میں درج کی ہیں -

نواب یحیی خان کے بارے میں تفصیلات آگے بیان کی گئی ہیں-

تحقیقات چشتی کے مطابق خان بہادر کے صاحبزادوں ،مسماۃ حیات النساء اور لاڈلی بیگم کو تعلیم دیتے تھے۔

ان کی دیانت اور پارسائی کی وجہ سے مدرسہ خواجہ خاوند محمود ایشاں ؒ کی تولیت بھی آپ کو دی گئی تھی اس سلسلہ میں تفصیلات کتاب یادگار صدیقی میں دی گئی ہیں-

خواجہ خاوند محمود ایشان کے بارے میں بھی تفصیلات آئندہ صفحات میں بیان کی گئی ہیں-

لاہور کے نامور مورخ محمد الدین فوق کے مطابق حکام وقت ان کے علم و فضل کی وجہ سے بہت قدر کرتے تھے۔ مدرسہ حامدؒ قاری میں ایک عرصہ تک درس دیتے رہے۔ فوق نے حاشیہ پر لکھا ہے کہ حکام وقت کی قدر افزائیوں نے آپ کو مالا مال کر رکھا تھا اور آپ کی وفات 5 جمادی الاول 1199 ھ/ 1785ء تحریر ہے۔

تحقیقات چشتی اور تذکرہ علماء و مشائخ میں آپ کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ جان محمدؒ اپنے وقت کے عالم فاضل تھے۔ درس و ہدایت کا سلسلہ تا حیات جاری رکھا۔ آپ صاحب کمال بزرگ تھے۔ صاحبان طریقت آپ کو سلسلہ سہروردیہ سے بتاتے ہیں اور مشائخ سہروردیہ کی فہرست میں آپ کا نام شامل ہے مدرسہ

ابوالحسن تربتی جو اپنے وقت کا مشہورمدرسہ تھا اور قاری حامدؒ اس مدرسہ کے مہتمم تھے۔ قاری حامد ؒ کی وفات کے بعد آپ اس مدرسہ کے صدر مدرس رہے اور بعد میں آپ کے بیٹے بھی اس عہدہ پر فائز رہے۔

حافظ جان محمدؒ تقریباً 33 برس قاری حامدؒ کی وفات کے بعد حیات رہے اور ویٹ میں روڈ، مغل پورہ لاہور میں قاری حامد کی قبر کے دائیں طرف دفن ہوئے اور آپکی قبر کو اکھاڑ کر بے حرمتی کی گئی بلکہ احاطہ میں تمام قبروں کو توڑ دیا گیاہے۔

حال ہی میں وہاں جو مزار بنایا گیاہے اس میں قبروں کی نشانیاں رکھ دی گئی ہیں۔

تحقیقات چشتی میں آپ کے یہاں دفن کئے جانے کے اوراس سلسلے میں دیگر تفصیلات بیان کی ہیں۔

عزیز احمد چوھدری نے ناظم پنجاب یحیی خان کے ضمن میں تحریر کیاہے کہ وہ حافظ جان محمدؒ کا بے حد معتقد تھا (ص204) اسکے علاوہ حافظ جان محمد سہروردیؒ کے عنوان سے مختصر تفصیلات بھی تحریر کی ہیں (ص256)

' مجلہ الاتحاد العالم لآثار بین العرب ' نے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں لاہور کے مغل دور کے آثار 932 -1182ھ (1526-1768ء) تک کے شامل ہیں ۔ اس میں لوح 69 پر داخلہ مسجد حامد قاری پر لگے فارسی شعر کے کتبہ کی تصویر شامل کی گئی ہے۔

(الکتابات الاثریہ الباقیہ علی عمائر مدینہ لاہور فی العصر مغولی الہندی۔ محمد علی حفیظ صفحہ 380)

حوالہ کتب:

تحقیقات چشتی، مراۃ الانساب، یادگار چشتی، تذکرہ علماء و المشائخ ، 1920ء نظام لاہور نمبر جنوری1920ء ، نقوش لاہور نمبر، مدینۃ الاولیاء صفحہ 380 تا 384، پنجاب مغلوں کے عہد زوال میں ، انساب صدیقی ، الکتابات الاثریہ الباقیہ علی عمائر مدینہ لاہور فی العصر مغولی الہندی ، تاریخ جلیلہ، لاہور کے اولیاء سہرورد صفحہ 207 تا212۔ یادگار صدیقی۔

# حافظ رحمت اللہؒ

آپ اپنے والد حافظ جان محمدؒ کی 1199ھ بمطابق 1785ء میں وفات کے بعد مدرسہ ابوالحسن تربتی کے آخری پرنسپل تھے- قاری حامد کے احاطہ پر قبضہ کرنے والوں نے چبوترے پر موجود تمام قبروں کی بے حرمتی کی اور انہیں توڑ کر مزار بنا دیا- لیکن آپکی قبر مزار کی جنوبی دیوار سے باہر ابھی بھی موجود ہے-

شجرہ نسب:

**حافظ رحمت اللہ بن حافظ جان محمد بن سعد اللہ بن رزق اللہ بن عطاء اللہ بن محمد سید بن عبد اللطیف بن احمد سعید بن نعمت اللہ غزنوی بن قطب اللہ بن محمد جمیل بن محمد سلطان بن لطف اللہ بن محمد صالح بن عبد الواحد بن محمد قاسم بن عبد اللہ بن عبد الواسع بن احمد اللہ بن ابو القاسم بن عبد العزیز بن ابو اسحق بن عبد الباسط بن عبید اللہ بن ایوب بن عمر بن ابو سعید بن یعقوب بن ابو بکر ثانی بن احمد ثانی بن سیدنا عبد اللہ بن سیدنا احمد بن قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ**

آپ کے حالات زندگی کئی کتابوں میں اختصار سے ملتے ہیں۔ جن کے مطابق آپ اپنے وقت کے نہایت عالم وفاضل تھے آپ کے خوان علم سے صدہا وگ مستفیض ہوئے۔ آپ کا درس بھی مدرسہ ابوالحسن تربتی (حامد قاریؒ) میں جاری رہا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور احمد شاہ کے حملوں کی وجہ سے لاہور میں جو بدامنی اور ابتری پھیل گئی تھی اس کی وجہ سے مذکورہ مدرسہ میں درس جاری رکھنا ممکن نہ رہا تو آپ مغلپورہ سے اندرون شہر نزد چوہٹہ مفتی باقر منتقل ہو گئے " کوچہ رحمت اللہ' " خرادیاں محلہ لاہور آپ کے نام سے مشہور ہے۔

نقوش لاہور نمبر کے مطابق مدرسہ ابوالحسن تربتی کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ لاہور کا سب سے مشہور اور خوبصورت مدرسہ تھا اور حامد قاریؒ کے بعد حافظ رحمت اللہؒ اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ لیکن آپ کا زمانہ بھی دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ لاہور ان ایام میں سکھ سرداروں کی جولان گاہ بنا ہوا تھا ہر جگہ بدامنی اور قتل وغارتگری تھی۔ اس لیے اطمینان قلب اور امن جو تعلیم کے لیے ضروری ہے مفقود تھے۔

تحقیقات چشتی سے آپکی اولاد میں محمد بخش صحافؒ کے علاوہ ایک بیٹے عنایت اللہ کا بھی پتہ لگتا ہے۔عنایت اللہ کے ایک بیٹے اللہ بخش اور ایک بیٹی کا تذکرہ بھی ہے۔ جبکہ دوسرے بیٹے ستار کے علاوہ ستار کے بیٹے امام الدین اور ایک بیٹی کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن موجودہ دور میں اللہ بخش کی اولاد کا کچھ پتہ نہیں چل سکا یا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا یا کہیں اور آباد ہو گئے ہیں۔ البتہ یہ سب مدرسہ حامد قاری کے احاطہ میں مدفون ہوئے ۔

حافظ رحمت اللہؒ کے تیسرے بیٹے احمد بخش مجلدی اور چوتھے کا نام معلوم نہیں ہو سکا یہ سب اپنے بھائیوں کے ساتھ مدفون ہیں ۔

اس دور کے حالات مختصراً اس طرح ہیں۔ جن سے اس دور کی ابتری کا اندازہ ہوتا ہے:

12 جنوری 1748ھ / 1161ھ کو احمد شاہ درانی کی بیگم پورہ میں لوٹ مار 5مارچ 1752ء/ 1165ھ کو انہوں نے شالیمار باغ میں ڈیرے ڈال دیئے یہیں سے پنجاب پر احمد شاہ درانی کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ احمد شاہ تیموری کے عہد کا واقعہ ہے 1753ء/ 1166ھ میں سکھوں نے نواح لاہور میں لوٹ مار کی۔ جنگ باز خان14 اکتوبر 1756ء/ 1169ھ کو لاہور میں داخل ہوا اور لوٹ مار ہوئی۔1761ء میں سکھوں کا لاہور پر قبضہ اور جسا سنگھ کی بادشاہت کا اعلان اور احمد شاہ کا قلع قمع کرنا۔

اپریل 1756ء / 1169ھ میں احمد شاہ کی واپسی کے ایک ماہ بعد سکھوں کا پھر لاہور پر قبضہ' دسمبر 1766ء/ 1179ھ میں احمد شاہ کی لاہور آمد اور 1798ء میں زمان شاہ بیٹا تیمور شاہ کی لاہور آمد۔

1799ء / 1213ھ میں رنجیت سنگھ کے عہد کا آغاز۔ ٹیپو سلطان کی شہادت۔

بحوالہ:

تحقیقات چشتی، مراۃ الانساب، یادگار چشتی، مدینہ الاولیاء، نقوش لاہور نمبر، تذکرہ علماء و مشائخ، تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور، لاہور کے اولیاء سہروردیہ ۔ انساب صدیقی، یادگار صدیقی۔

# ملک الصحاف مولوی حافظ محمد بخش صحاف ؒ

**مولوی حافظ محمد بخش صحاف بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ جان محمد صدیقی ؒ**

آپ کی قبر مبارک بھی چبوترہ قاری حامد شیخ پر اپنے دادا حافظ جان محمد کے ساتھ ہی تھی۔ جسے قبضہ کر کے مزار بنانے والوں نے بے حرمتی کرتے ہوئے مسمار کر کے وہاں نشانی کے طور پر پتھر کی سلیب رکھ دی ہے۔

آپ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا ذکر تاریخ کی مشہور کتابوں میں موجود ہے۔آپ نہایت عالم و فاضل تھے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کے والدحافظ رحمت اللہ اندرون شہر لاہور منتقل ہو گئے تھے اور وہیں سے آپ نے طباعت و کتابت کے عہد ساز کام کا آغاز کیا یا پہلے سے جاری سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

تحقیقات چشتی میں جو تفصیلات دی گئی ہیں اسکے مطابق " مکتبہ صحافی" اکبر کے عہد میں موجود تھا اور پھر شاہجہاں کے عہد میں بھی اسکی موجودگی کا حوالہ دیا ہے۔

آپ کی آل اولاد خوب بڑھی اور پاکستان کے مختلف حصوں کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی آباد ہے جن کا سلسلہ نسب کتاب انساب صدیقی اور یادگار صدیقی میں دیا گیا ہے ۔ لیکن افسوس آپ کے دیگر بھائیوں کی اولادوں کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ آپ نے فارغ التحصیل ہو کر مہارجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں تجارت کتب اور صحافی کا عظیم کارخانہ کھولا۔جس کا نام مطبع صحافی رکھا۔

اس چھاپے خانے کی طبع شدہ کتب اب بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں آپ کے کارخانہ میں متعدد نقاش، خوشنویس، اور جلدساز وغیرہ ملازم تھے۔آپ کو امیر افغانستان کی طرف سے "ملک الصحاف" کا

خطاب ملا تھا اورآپ کے کارخانہ کی تیار کی ہوئی کتابیں معقول قیمت پر ایران و خراسان تک جاتی تھیں۔

مفتی علی الدین مصنف " عبرت نامہ" اور مولوی احمد بخش یکدل چشتی دونوں آپ کے داماد تھے۔ مولوی نور احمد چشتی مصنف" تحقیقات چشتی" اور"یادگار چشتی" وغیرہ آپ کے نواسے تھے۔

رائے بہادر کنہیال لال نے " تاریخ لاہور" 1884ء نے کئی جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔ایک جگہ بہ عنوان لاہور کے چھاپے خانے تحریر کرتے ہیں کہ قلمی تاجران کتب کے سب سے بڑے تاجر لاہور میں محمد بخش صحاف تھے اور ان کے ہاں بہت سے کاتب کتابیں لکھنے کے لیے موجود رہتے تھے ۔ ہزاروں روپیہ کی تجارت ہوتی تھی اور دوسری جگہ لاہور میں کتب فروشی کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کی سکھوں کے وقت چھاپے کی کوئی کتاب ہندوستان سے پنجاب میں نہیں آتی تھی۔ قلمی کتابیں کاتب فروخت کیا کرتے تھے ۔بڑا کارخانہ محمد بخش صحاف کا تھا ۔جن کے پاس پچیس تیس ملازم کتابیں لکھا کرتے تھے اس کارخانے کی کتابیں تمام پنجاب میں جاتی تھیں بلکہ ایران و خراسان تک سوداگر خرید کر لے جاتے تھے۔

"عمدۃ التواریخ " میں سوہن لعل عرف سوری وکیل دربار مہارا جگان پنجاب نے 1889ء/1306ھ میں اپنی کتاب چھپوائی تھی اس میں جنوری 1845ء/1261ھ سے فروری1849ء / 1265ھ تک کے واقعات جو کہ جلد پنجم میں تحریر ہیں اس میں ان کا تذکرہ کیاہے۔وہ رقم طراز ہیں کہ

"صاحب کلاں ایک کتاب کریما مطلا تصویر دارد بنا بر سر کار گذر ایندو یک صد بیست و پنجرروپیہ وجہ انعام حوالہ محمد بخش صحاف گرویدہ" ( 125روپیہ انعام دیا)

مصنف تحقیقات چشتی تحریر کرتے ہیں کہ محمد بخش صحاف یکتائے زمانہ اور تجارت صحف میں نامی گرامی تاجر تھے لوگ ان کی دکان کو لاکھوں روپیہ سے نسبت دیتے تھے۔ انکی مقام نشست گاہ میں بیں بیں کاتب' چار چار پانچ پانچ مصور، اسی قدر نقاش و زر کار و جدول کش و مجلدی بیٹھا کرتے تھے اور یہ سب ملازم تھے اور ایک قرآن شریف جس کا ہدیہ 95 ہزار روپیہ تھا خود دیکھا جو کہ اکبر نے

لکھانا شروع کیا تھا اور اب وقت شاہجان ختم ہوا ۔ اس پر دس تفسیریں چڑھی ہوئی ہیں اور طلا کاری کا تو یہ حال تھا کہ زبان اور قلم اس کی تعریف میں لال ہے ۔ اس کے علاوہ ایک اور قرآن شریف سہہ قلم جو طلاء اور لاجورد اور سیاہی سے تحریر تھا میں نے (یعنی نور احمد چشتی) نے1287ھ / 1871ء میں ان کے صاحبزادوں سے خریدا تھا۔

محمد بخش صحاف 1263ھ / 1846ء میں وفات پا کر مدرسہ ابو الحسن تربتی (مدرسہ قاری حامدؒ) میں دفن ہوئے جہاں آپ کے والد حافظ رحمت اللہؒ اور دادا حافظ جان محمدؒ کی قبور ہیں۔ اب ظالم مافیا نے آپکی قبر کی بے حرمتی کرتے ہوئے اکھاڑ دیا ہے لیکن نئے بنے ہوئے مزار میں نشانیاں رکھ دی ہیں - تفصیل کے لیے دیکھئے خاندانی قبور خاندان رحمت اللہ (تحقیقات چشتی)

تحقیقات چشتی کے مطابق میر منو کے عہد تک مدرسہ و مقبرہ ایشانؒ کی عملداری حافظ محمد بخش صحافؒ کے پاس رہی۔

فقیر خاندان کے روزناچوں میں رنجیت سنگھ کے عہد پر روشنی ڈالتے ہوئے جہاں نامور علماء کا ذکر ہے وہاں محمد بخش صحافؒ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے لکھتے ہیں " مصوری ، خطاطی اور صحافت یعنی جلد سازی کے یوں تو بے شمار مراکز لاہور میں موجود تھے لیکن جو شہرت مولوی محمد بخش صحافؒ کے کارخانے کو نصیب ہوئ وہ کسی کو نہ مل سکی۔ یہ کارخانہ مسجد وزیر خان سے ملحقہ دکانوں میں قائم تھا اور بے شمار خطاط ، مصور اور صحاف اس سے وابستہ تھے جو دن رات کام کر کے تشنگان علم کے لئے کتابیں نقل کرتے اور اہل ذوق سے تذہیب ، آرائش ، مصوری اور نقاشی میں داد تحسین حاصل کرتے تھے اس عہد کے معروف دانش مند مولوی احمد بخش یکدل چشتی بھی کچھ عرصہ اس کارخانے سے وابستہ رہے۔ اس کارخانے میں تیار شدہ درسی اور علمی کتابوں میں سے بعض راقم الحروف کے کتاب خانے میں موجود ہیں

(صفحہ 67 لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات)

بزم اردو لاہور نے دسمبر 1909ء میں سیاحوں کی آسانی کیلئے ایک کتاب " لاہور گائیڈ " شائع کی تھی اس میں بھی آپ کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایشانؒ کی مسجد ، مدرسہ اورمزار کی تولیت آپ کے سپرد کی گئی (صفحہ56)

حافظ محمد بخش صحافؒ کے تین بیٹے :

مولوی حافظ بخش صحاف، مولوی فضل الدین صحاف اور حافظ خیر دین ہوئے۔

آپ کی دو بیٹیوں کے حالات کا پتہ لگتا ہے ایک بیٹی فضل النساء کی شادی 1230 ھ / 1815ء میں احمد بخش یکدل بن مولوی غلام حسین چشتی سے ہوئی آپ مولوی نور احمد چشتی کی والدہ تھیں۔

فضل النساء بیگم بنت محمد بخش صحاف کی وفات 3 شوال 1250 ھ / 1834ء میں ہوئی اور قبرستان گنج شہیداں متصل شاہ ابو المعالی میں سپرد خاک کی گئیں ۔ انکے بطن سے 5 لڑکے اور 3 لڑکیاں متولد ہوئیں، جنکے نام فاطمہ بی بی، عطاء الحق، عطا حسین ، امتہ الزہرا، غلام محی الدین، امتہ البتول اور نور احمد چشتی تھے۔

مذکورہ بیٹی امتہ البتول کی پیدائش 2 رجب 1240ھ/1824ھ اور وفات 1260 ھ / 1844ء میں ہوئی جنکی شادی مفتی امام الدین بن مفتی نظام الدین سے28 نومبر 1833ء / 1249ھ کو ہوئی ، مفتی امام الدین کی وفات 11 دسمبر1892ء/1310ھ کو ہوئی۔

انکے بیٹے نور احمد چشتی 7 ذی الحج 1244 ھ /10 جون 1892ء کو پیدا ہوئے اور وفات 1284 ھ / 4 اگست 1867ء کو ہوئی۔ (لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات۔ صفحہ142، 144)

دوسری بیٹی ایمنـــــــــــہ بنت محمد بخش صحافؒ کی شادی مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار ابن محمد یوسف سے ہوئی ۔

مفتی علی الدین مشہور فارسی کتاب " عبرت نامہ " کے مصنف ہیں ۔ اس کتاب کو پنجابی ادبی اکیڈمی سے ڈاکٹر محمد باقر نے دو جلدوں میں 1961ء میں دوبارہ شائع کرایا تھا۔

## ملک الصحاف کا خطاب

چونکہ آپ نے مطبع صحافی رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں شروع کیا تھا اور انکا دور 1799ء سے 1839ء تک رہا۔ یہ خطاب امیر افغانستان شاہ دوست محمد کے نے دیا ۔ شاہ دوست محمد 1826ء میں تخت نشین ہوئے اور1834ء میں امیر کا لقب اختیار کیا اور 1839ء میں ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا ۔"عمدۃ التواریخ " میں آپ کا نام ' ملک الصحاف ' کے خطاب کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے جو 1845ء کے دور کے واقعات پر مشتمل ہے۔

مکتبہ صحافی سے یوں تو سینکڑوں کتب شائع ہوئیں جن کے بعض حوالے فقیر خاندان اور چشتی خاندان کی یادداشتوں میں بھی ملتے ہیں۔

مجھے کچھ قدیم کتابیں ملیں جو مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہوئی تھیں چونکہ لاہور میں ہمارے خاندان کے علاوہ کوئی اور دیکھنے میں نہیں آیا جو اس زمانے میں طباعت و صحافت سے وابستہ ہو ممکن ہے یہ مطبع خاندان کے کسی فرد کا ہی ہو لیکن تفصیلات نہ مل سکیں ۔ مطبع صدیقی 1296ھ /1878ء کے لگ بھگ کے زمانہ میں تھا اور اسی میں کتاب سنن ابی داوٗد جسکا علامہ وحید الزمان نے اردو میں ترجمہ کیا تھا چھپی تھی۔ علامہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اوائل1296ھ میں شروع کیا تھا جب وہ صحاح ستہ، موٗطا اور ترمذی سے فارغ ہو چکے تھے اور دوسری مطبع صدیقی سے شائع ہونے والی کتاب کسی مذہبی جلسہ کی روداد ہے جو دسمبر 1896ء/1314ھ کولاہور میں منعقد ہوا، صفحات288اور تاریخ طباعت1315ھ/ 1897ء ہے۔

# مولوی حافظ بخشؒ بن محمد بخش صحافؒ

شجرہ: مولوی حافظ بخش ابن حافظ محمد بخش صحاف ابن حافظ رحمت اللہ بن حافظ جان محمد

آپ کے جو حالات معلوم ہوئے ہیں ان کے مطابق اپنے والد ملک الصحاف محمد بخش صحافؒ

کے چھاپہ خانہ کے مہتمم رہے۔ تحقیقات چشتی کے مطابق مدرسہ خواجہ خاوند محمودؒ کے متولی بنے اور اس مکان کی کئی مرتبہ مرمت کرائی۔ طاق و تختہ لگوائے۔ریذڈنٹی سرہنری لارنس صاحب بہادر کشمیر سے حضرت ایشاںؒ کے صاحبزادہ خواجہ احد کو لائے اور سرکاری کی طرف سے اس کی مرمت منظور کی لیکن خواجہ احد کی وفات کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔

آپ اور آپ کی اہلیہ دونوں خاندانی قبرستان احاطہ قاری حامد میں مدفون ہوئے لیکن آپ کی قبر کو مافیا نے اکھاڑ کر وہاں مزار بنا دیا گیا ہے۔ آپ کی قبر کی نشانی رکھ دی گئی ہے۔

تحقیقات چشتی کے مصنف کی حیات میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا جس کا انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور آپکے بیٹے فیض بخش کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپکے لواحقین بھی یہیں دفن ہیں۔

قبور خاندان رحمت اللہ میں دو جگہ آپ کی اہلیہ کا تذکرہ ہے ایک جگہ زوجہ حافظ بخش تحریر ہے اور ساتھ ہی دوسری جگہ والدہ فیض بخش تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً آپ کی دو بیویاں ہوئیں۔ان میں ایک سے آپ کے بیٹے فیض بخش ہوئے۔

کتاب' مراۃ الانساب '، محمد الدین فوق نے اپنی کتاب اور یادگار چشتی کے اردو ایڈیشن کے شجرہ اور اس کے علاوہ کتاب' مدینۃ الاولیاء ' میں بھی آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپکے والد محمد بخش صحافؒ کے پاس مدرسہ ایشاں کی عملداری تھی وہ میر منو کے عہد تک رہی اس کے بعد نواب غازی خان نے اس کی عملداری بمہر خود ایک سند لکھ کر دی جو موجود رہی - خواجہ احد خان جب تشریف لائے تو انہوں نے دوبارہ تولیت نامہ اس مقبرہ کا لکھ کر دیا جو آپ کے بھائیوں حافظ خیر دین و فضل الدین کے پاس رہا۔ (بحوالہ تحقیقات چشتی)

حوالہ کتب:

تحقیقات چشتی، مراۃ الانساب، یادگار چشتی، مدینہ الاولیاء، نقوش لاہور نمبر، تذکرہ علماء و مشائخ ، تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور، لاہور کے اولیاء سہر ورد، انساب صدیقی اور یادگار صدیقی۔

## مولوی فیض بخشؒ بن مولوی حافظ بخشؒ

آپ کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں مل سکیں سوائے شجرہ جات اور ضمنی حوالہ جات کے۔ تحقیقات چشتی میں آپ کا ذکر کئی جگہ کیا گیا ہے

اور بتایا گیا ہے کہ مدرسہ ابوالحسن تربتی (قاری حامد) آپ کے اور حافظ خیر الدین و فضل الدین صحاف کے بیٹوں کے زیر قبضہ ہے ۔ آپ کے ایک بیٹے ہوئے جن کا نام مولوی محمد دین صدیقی اور بیٹی عائشہ بی بی تھیں جو کہ حامد علی چشتی بن محمد علی بن مولوی احمد بخش یکدل سے بیاہی گئی تھیں۔

آپکی والدہ کا ذکر تحقیقات چشتی میں کیا گیا کہ ان کی تدفین مدرسہ ابوالحسن تربتی میں کی گئی-آپ کو بھی یہیں اپنے لواحقین کے ساتھ دفن کیا گیا ہو گا-

بحوالہ:

یادگار چشتی شجرہ ،تحقیقات چشتی ،انساب صدیقی ، مراۃ الانساب، لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات ، لاہور کے اولیاء سہر ورد، مدینۃ الاولیاء، یادگار صدیقی-

## مولوی احمد بخش یکدلؒ اور مولوی نور احمد چشتیؒ

### چشتی خاندان:

آپ کے بزرگ مولوی محمد عاقلؒ ہمایوں کے ہمراہ ایران سے ہندوستان آئے اور مدت تک دکن میں بعہدہ ہائے جلیلہ پر سر فراز ہے ۔مولوی محمد عاقل کے دو بیٹے تھے ، مولوی نظام الدین ؒاور مولوی عنایت اللہ ؒ۔

1054ء میں مولانا عاقل کے بیٹے مولوی عنایت اللہ اور مولوی نظام ایران چلے گئے اور وہاں اولاد شاہ طہماسپ کی اتالیقی کی خدمات انجام دیتے رہے نادر شاہ کے عہد میں مولوی عنایت اللہ اپنے بیٹوں مولوی ضیاء الحق اور مولوی بہاء الحق کے ہمراہ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے اس وقت مولوی نظام الدین بھی ان کے ہمراہ تھے-مولوی عاقل کے دونوں بیٹے پہلے دکن میں رہے پھر انکی وفات کے بعد پنجاب تشریف لے آئے-

مولوی نظام الدین بن مولوی محمد عاقل پیر مہکا کے نام سے مشہور ہوئے۔ان کا مقبرہ لاہور گڑہی شاہو میں اقبال روڈ کے جنوب کی سمت ہے۔انکی وفات صفر1117ھ میں ہوئی۔

مولوی عنایت اللہ بن مولوی محمد عاقل کے دو بیٹے مولوی بہاء الحق اور مولوی ضیاء الحق ہوئے اور ایک بیٹی جنکی شادی مولوی لطف اللہ بن مولوی عبد الہادی سے ہوئی۔ مولوی لطف اللہ کے بیٹے کا نام حافظ امام بخش تھا جو بہت اچھے خطاط تھے۔

مولوی ضیاء الحق بن مولوی عنایت اللہ1160ھ / 28جنوری1747ء کو فوت ہو کر حافظ پور شرقیہ کے قبرستان میں دفن ہوئے-

مولوی ضیاء الحق بن مولوی عنایت اللہ بن مولانا محمد عاقل: کی اولاد میں ایک بیٹے کانام مولوی محمد ابراہیم چشتی تھا اور ایک بیٹی تھیں جنکی شادی مرزا ہدایت اللہ سے ہوئی اور وہ آگرے میں آباد ہوئیں۔

مولوی محمد ابراہیم چشتی کی شادی عابدہ بیگم بنت مرزا امان اللہ بیگ سے ہوئی اور انکے بیٹے کا نام مولوی غلام حسین چشتی اور بیٹی کا نام عابدہ بی بی تھا جنکی شادی خدابخش بن منور وکیل سے ہوئی تھی اور نکاح ثانی ملا محمد حیات بن دسوندی سے ہوا ۔

مولوی محمد ابراہیم چشتی کا انتقال 1202ھ میں ہوا۔

## مولوی غلام حسین چشتی بن محمد ابراہیم چشتی بن مولوی ضیاء الحق بن مولوی عنایت اللہ بن محمد عاقل ؒ:

مولوی غلام حسین چشتی کی شادی عظمت النساء بنت مولوی عصام الدین آہن گر سے ہوئی جو حافظ قرآن اور پرہیز گار خاتون تھیں انکی وفات 1824ء میں ہوئی اور انکے بطن سے مولوی احمد بخش یکدل پیدا ہوئے جو والد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ درس و تدریس پر متمکن ہوئے۔لوہاری دروازہ لاہور کے اندر علوم متداولہ کا مکتب جاری کیا ۔ چوپڑہ خاندان کے بچوں کے علاوہ فقیر عزیز الدین کے بیٹے فقیر چراغ الدین کے بھی اتالیق رہے۔آپکی اہلیہ عابدہ بی بی نے زنانہ مدرسہ قائم کیا۔

اندازہ ہے کہ 1215ھ کے نزدیک کابل چلے گئے وہاں امیر کابل کی فرمائش پر رئیس زادوں کو تعلیم دیتے رہے کابل سے واپس آئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وظیفہ مقرر کیا اور خاندان خالصہ کا اتالیق مقرر کیا۔آپ نے جن خاندانوں کو تعلیم دی ان میں لالہ جودھیا پرشاد، دیوان بیج ناتھ، دیوان شنکر ناتھ، دیوان دینا ناتھ قابل ذکر ہیں آپکی وفات صفر 1260 ھ / 29 فروری 1844ء کو ہوئی۔

## احمد بخش یکدل بن مولوی غلام حسین بن محمد ابراہیم چشتی بن مولوی ضیاء الحق ؒ :

مولوی احمد بخش یکدل کی پیدائش 7 ماہ صفر 1212ھ / یکم اگست 1707ء کو نوگھرہ یاقوت خان، محلہ آغا خانیاں گزر شیخ اسحاق اندرون ذکی دروازہ لاہور میں ہوئی۔انکی والدہ کا نام عظمت النساء اور نانی کا نام رحمت النساء بنت جیوا تھا۔ 17 برس کی عمر میں انکی شادی فضل النساء بنت مولوی محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن جان محمد بن رزق اللہ سے 1230ھ میں ہوئی ۔فضل النساء کا انتقال 1250ھ / 1824ء میں ہوا اور قبرستان گنج شہیداں متصل ابوالمعالی دفن ہوئیں ان سے 5 لڑکے اور 3 لڑکیاں متولد ہوئیں۔

سلطان بہادر شاہ ظفر نے بھی دربار میں باریابی دی۔شاہی دربار سے فخر الشعراء کا خطاب اور خلعت عطاء ہوئی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1818ءیا 1819ء میں جاگیریں عطاء کیں جنکی تفصیل بہت لمبی ہے کے علاوہ 600 روپیہ سالانہ مقرر کیا۔

مولوی احمد بخش یکدل کے فضل النساء بنت محمد بخش صحاف سے 8 بچے ہوئے انکے نام اسطرح ہیں۔

فاطمہ بی بی، عطاء الحق، عطاء حسین، فضل بخش، غلام محی الدین سب بچے بچپن میں فوت ہوئے اسکے

علاوہ ایک بیٹی امتہ البتول 2رجب 1240ھ کو پیدا ہوئیں انکی شادی مفتی علی الدین بن خیر الدین خاندان کے مفتی امام الدین سے ہوئی اور 1844ء میں فوت ہوئیں۔

اسکے بعد مولوی نور احمد چشتی 7ذی الحجہ 1244ھ / 4اگست 1829ء کو متولد ہوئے–

آپکی دوسری بیوی کا نام عظمت النساء تھا انکے بطن سے جو بچے پیدا ہوئے ان میں بیٹے مولوی محمد علی کی پیدائش شوال 1252ھ / 1837ء اور وفات 17 مارچ 1891ء کو ہوئی –

بیٹی زیب النساء کی پیدائش 30جون 1850ء اور وفات 23دسمبر 1898ء کو ہوئی جنکی شادی مولوی سراج الدین صحاف بن مولوی فضل الدین بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی اور مولوی فخر الدین صدیقی انکے بیٹے تھے۔

دوسری بیٹی اقبال النساء کی شادی 17 ستمبر 1868ء کو مولوی امیر بخش صحاف بن خیر الدین بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی۔

اقبال النساء کی ایک بیٹی کا نام نجم النساء تھا اور دوسری بیٹی کا نام غلام فاطمہ تھا جنکی شادی مولوی عبد الرحمن چشتی بن مولوی حامد علی چشتی بن مولوی محمد علی چشتی بن مولوی احمد بخش یکدل سے ہوئی –

مولوی احمد بخش یکدل کی پانچویں بیوی مہر النساء ( مہراں ) کے بطن سے مولوی محرم علی چشتی 6 محرم 1280ھ / 23 جون 1863ء پیدا ہوئے جنکی وفات 8دسمبر 1934ء کو ہوئی ۔

اسکے علاوہ ایک بیٹی نور النساء بنت احمد بخش یکدل کی شادی اکتوبر 1869ء میں امیر الدین بن نظام الدین سے ہوئی ۔یہ خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے مشہور ہے اور اپنے علم کی وجہ سے ہمیشہ سر فراز رہا ۔

مولوی احمد بخش یکدل کو دیوان دینا ناتھ سرکار میں خصوصیت حاصل تھی اور دیوان امر ناتھ کے اتالیق مقرر ہوئے۔1279ھ میں وفات پائی۔

احمد بخش یکدل کی قبر گھوڑے شاہ روڈ پر لال مسجد کے شمال میں ایک گلی میں موجود ہے ، ان کے لوح مزار پر تاریخ وفات 1867 ء تحریر ہے – اسی جگہ پر ان کے بیٹے نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی کی قبر اپنے والد کی قبر سے ملحق قبلہ کی طرف ہے۔

مولوی محرم علی چشتی بن احمد بخش یکدل نے رفیق ہند اخبار جاری کیا –

☆نوائے وقت 12 مارچ 1994ء کو عبد اللہ ملک نے اپنے مضمون حدیث دل میں لکھا ہے کہ مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی نور احمد چشتی نے کوچہ چابک سواراں لاہور میں رہائش رکھی۔

☆نوائے وقت 18 فروری 1994ء میں ایک مضمون " آہ ڈاکٹر محمد اجمل" شائع ہوا اس مضمون سے مختصر تعارف ڈاکٹر محمد اجمل کا اس طرح ہے۔

ایم اے نفسیات، کے بعد درس و تدریس کا شعبہ اختیار کیا طالب علمی کے زمانہ میں ان کی نظم مولانا ظفر علی خان نے روزنامہ زمیندار کے پہلے صفحہ پر شائع کی پاکستان ٹائمز کے ادارتی عملہ میں شامل رہے پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں دوبارہ ملازمت کی لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی پھر سیکرٹری تعلیم حکومت پاکستان کے عہدہ پر فائز رہے۔ڈاکٹر محمد اجمل کے والد کا نام محمد افضل اور دادا کا نام مخدوم محمد الدین اور والدہ کا نام مسعودہ بنت حامد علی چشتی تھا۔اس مضمون میں ابراہیم علی چشتی کو اس خاندان کا آخری فرد بتایا گیا جو غلط ہے ۔

مسعودہ بیگم اصغری بنت مولوی حامد علی چشتی بن مولوی محمد علی چشتی کے صلب سے ڈاکٹر محمد اجمل کے جو بچے ہوئے انکے نام محمد اکمل، محمد اظفر، محمد آثر، محمد ارحم اور سروری بیگم معلوم ہوئے اور آپ مولوی عبد الحمید چشتی

بن مولوی حامد علی چشتی کی ہمشیرہ تھیں اور مولوی عبد الحمید چشتی کے بیٹے عبد الباسط چشتی سے منصور احمد صدیقی مؤلف کی پھوپھی انور بنت مولوی بشیر احمد صدیقی کی شادی ہوئی تھی جن کے بیٹے کا نام جاوید باسط چشتی تھا ۔

## مولوی نور احمد چشتیؒ بن مولوی احمد بخش یکدلؒ :

پیدائش 1244ھ 1829ء کو ہوئی۔والد کا نام مولوی احمد بخش یکدل تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ راجگان کے بیٹوں کو تعلیم دیتے رہے۔ پھر 1849ء میں ہندوستان کے انگریزوں کو اردو اور فارسی کی تعلیم دینی شروع کی آپ کی والدہ محمد بخش صحاف کی بیٹی تھیں کئ

نور احمد چشتی جب چھ سال کے تھے ان کی والدہ وفات پا گئیں ۔

آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جن میں تحقیقات چشتی، یاد گار چشتی کے اردو ترجمہ ہو چکے ہیں چونکہ مولوی نور احمد چشتی کا خاندان کا تقریباً تین صدی سے صدیقی خاندان کے ساتھ مصاہرت اور رشتہ داری میں بندھا ہوا ہے اس لیے "یاد گار چشتی" کے اردو مقدمہ کے میں چشتی خاندان اور صدیقی خاندان کے شجرہ بھی شائع کیے گئے

آپ کی کتاب یاد گار چشتی کا ترجمہ مجلس ترقی ادب نے شائع کیا اور یہ کتاب مطبع کرانیکل میں طبع ہو کر لندن اور فرانس بھیجی گئی۔اس میں گوہر نوشاہی نے شجرہ جات دودھیال و ننھیال دیے ہیں اور دیگر تفصیلات خاندان بھی دی ہیں۔اسکے علاوہ دیگر کتابوں میں تحفہ چشتیہ ،نور الانشاء، عجائبات چشتی، خیالات دانش، حمایت الصبیاں، ذخیرہ الظرافت، ندیم الرمل، حل لغات محاورہ ، دیوان چشتی شامل ہیں۔ اور تحقیقات چشتی 1864ء میں لکھی گئی۔

مولوی نور احمد چشتی کی کتابوں میں، تاریخ وفات 1284ء/ 1868ء بتائی جاتی ہے۔

حوالہ کتب: تحقیقات چشتی، انساب صدیقی، یاد گار چشتی، لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات،

یاد گار صدیقی - خفتگان خاک لاہور

# تصاویر

# مدرسہ ابوالحسن تربتی

# شیخ قاری حامدؒ

# ویٹ مین روڈ، مغل پورہ لاہور

**ویٹ مین روڈ، مغل پورہ ، لاہور سے مدرسہ ابوالحسن تربتی ( قاری حامد) کی طرف جانے کا راستہ ، یہی راستہ آگے دائیں طرف مقبرہ مردان علی خان کی طرف جاتا ہے**

# قبرستان کے پختہ احاطہ کی تصاویر - 1

# قبرستان کے پختہ احاطہ کی تصاویر- 2

مزار کی تعمیر کرنے کیلئے سب قبور کو شہید کیا گیا اور توڑنے کے بعد اس جگہ پر ماربل کی سلیب رکھ دی گئیں

مزار کی تعمیر کرنے کیلئے سب قبور کو شہید کیا گیا اور توڑنے کے بعد قبور کی جگہ مندرجہ بالا

ماربل کی سلیب رکھ دی گئیں

نو تعمیر شدہ مزار کا اندرونی ہال اور جن قبور کی بے حرمتی کی گئی انکی تصویر

## حافظ رحمت اللہ پرنسپل مدرسہ تربتی کی قبر جو ہال سے باہر ہونے کی وجہ سے محفوظ رہی

قبرستان کے دیگر حصوں کی تصاویر جہاں قبور شریعت کے مطابق بنائی گئی تھیں اور کئی عظیم مشاہیر اسلام اور تاریخی شخصیات وافراد خاندان یہاں دفن کئے گئے تھے

صدیقی خاندان کی قبور جو یہاں گذشتہ 500 سال سے دفن کئے جا رہے ہیں

ان قبور پر مزارات تعمیر کر کے مال بنانے کا کبھی سوچا بھی نہیں گیا تھا

موجودہ مافیا کیلئے کمائی کا مسئلہ تھا کہ کیسے اسے ایک کمرشیل سینٹر بنایا جائے اور

زمین پر قبضہ کا خواب بھی تھا

قبرستان میں مختلف قبور کی تصاویر جو سب صدیقی خاندان کی ہیں

قبرستان کے احاطے کی تصاویر بیک گراؤنڈ میں مسجد ہے

یہ سب تصاویر بطور شہادت لگائی جارہی ہیں تاکہ اگر قبرستان کے احاطہ میں کوئی

غیر قانونی پلازا یا بلڈنگ تعمیر کرنے یا قبرستان کے کسی حصہ پر ناجائز قبضہ

کی کوشش کرے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی میں معاون ہو

احاطہ کے مختلف حصوں کی تصاویر، دیوار کی دوسری سمت ریلوے کی عمارات ہیں

# احاطہ میں قائم قدیم مسجد کی دیگر تصاویر

افسوسناک امر یہ ہے کہ قبضہ مافیا نے غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر اسلامی قبضہ کو بر قرار رکھنے کیلئے اس مسجد پر تحریک لبیک کے ایک امام کو جمعہ کی نماز پڑہانے کیلئے مقرر کیا ہے تا کہ سیاسی حمایت حاصل کی جاسکے- میرا خیال تھا کہ امام صاحب کو اصل صورتحال سے آگاہ کروں گا لیکن وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد فوری روانہ ہو گئے اور میرا دوبارہ لاہور جانا ممکن نہ ہو سکا- امید ہے سربراہ تحریک لبیک پاکستان اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں گے اور قبضہ مافیا کی حمایت نہیں کریں گے

مصنف کتاب 2022ء–مین گیٹ– ویٹ مین روڈ، مغل پورہ، لاہور

تصاویر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدیقی خاندان کی کئی پشتوں نے سینکڑوں سالوں سے کس طرح اس اسلامی ورثہ کی نگہداشت کی جبکہ مغل سلطنت کے زوال اور لاہور کے صوبیداروں کی سرپرستی کے ختم ہونے کے باوجود سکھا شاہی میں نگہداشت کا بوجھ برداشت کیا، جبکہ برٹش حکومت نے چار دیواری تعمیر کروائی اور محفوظ راستہ تعمیر کروایا لیکن دیکھ بھال اسی خاندان کی ذمہ داری تھی– اب قبضہ مافیا نے مدرسہ ترہتی کے آثار پر قبضہ کر لیا ہے

# اس مزار کی تعمیر کے دوران قبور شہید کی گئیں

# مدرسہ تربتی

# میں قائم قبرستان کی قدیم

# بلیک اینڈ وہائٹ

# تصاویر

یہ قدیم تصاویر ہیں جن میں حضرت قاری حامد کی قبر کے تینوں طرف قبور تھیں جن
ایک قبر حضرت حافظ جان محمد کی تھی، دوسری قبر حضرت حافظ محمد بخش صحاف اور باقی
قبور حضرت مفتی علی الدین اور حافظ بخش صحاف کی تھیں

نو تعمیر شدہ مزار صریحا غلط جگہ پر تعمیر کیا گیا ہے جس میں یا تو مرکزی مزار غلط تعمیر
کیا گیا ہے یا پہلے سے موجود قبور پر اسکی تعمیر کی گئی ہے، اوپر دی گئیں تصاویر میں نئے
تعمیر شدہ مزار سے اس کا تقابل کیا جاسکتا ہے

**تمام بلیک اینڈ وائٹ تصاویر کے نیگٹو مصنف کے پاس محفوظ ہیں**

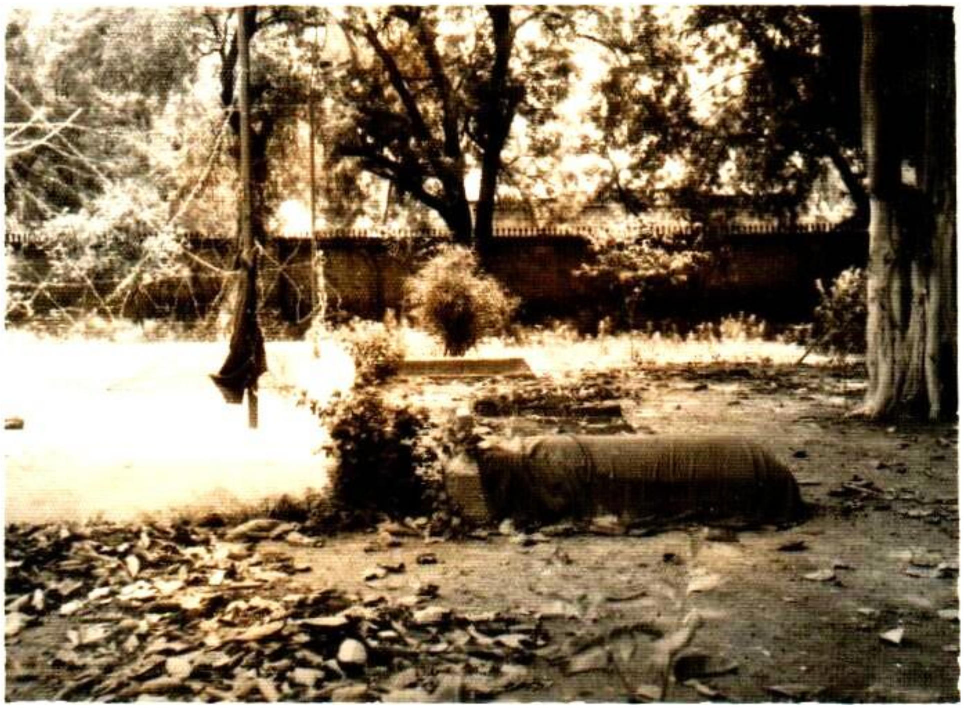

اصل مزار کی تصویر جس کے مرکز میں شیخ قاری حامد کی قبر تھی اور ارد گرد

قبور کو توڑ کر مزار تعمیر کر دیا گیا

## مسجد اور مشہور بڑ کا درخت

## چند نادر اور قدیم تصاویر۔ مرکز میں وہ مقام ہے جہاں اب مزار تعمیر کیا گیا ہے

# مختلف زاویوں سے لی گئیں بلیک اینڈ وائٹ نادر قدیم تصاویر

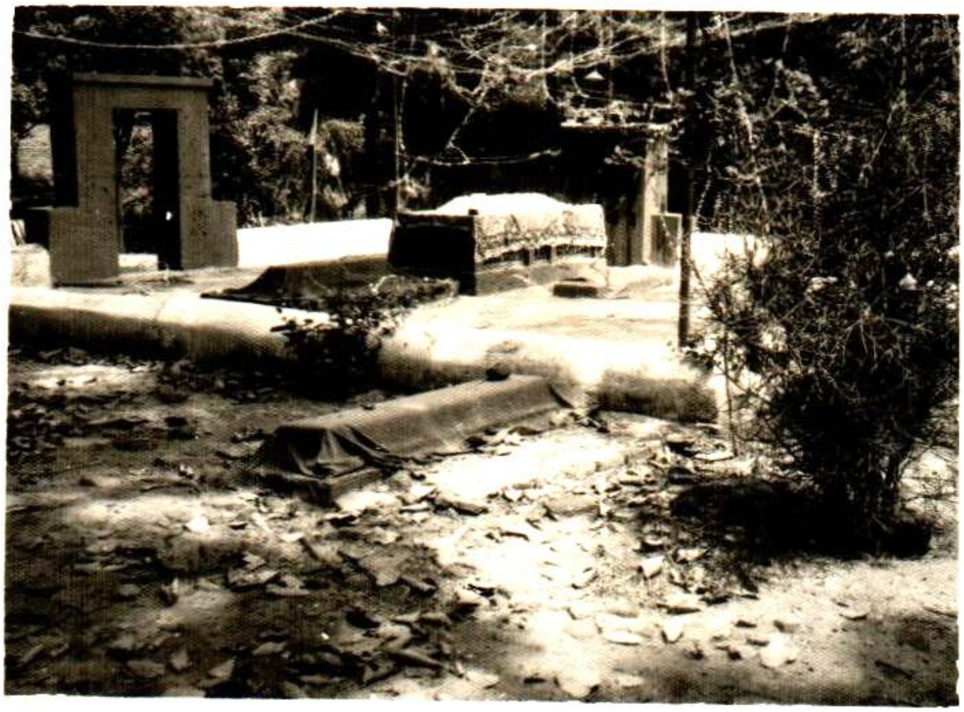

ملاحظہ فرمائیں' الکتابات الاثریہ الباقیہ علی عمائر مدینہ لاہور فی العصر مغولی الہندی ' –محمد علی حفیظ

## 2014ء کی تصاویر (اگلے صفحہ نمبر 91 پر)

قبضہ مافیا اور ریلوے اعلیٰ حکام کی ملی بھگت سے آئندہ صفحات پر دئے گئے بورڈ اتار پھینکے گئے، پہلے اسے ریلوے کی زمین ثابت کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ مدرسہ مغل عہد میں قائم ہوا تھا اور اس وقت ریلوے کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ جبکہ ریلوے ورکشاپس کی تعمیر 1905ء میں ہوئی تھی۔

اسکے بعد ایک قبضہ گروپ نے ایک حکمت عملی کے تحت مشہور کیا کہ ریلوے انجینئر کو خواب میں بشارت ہوئی ہے، جسکے بعد لوکل مافیا کے ساتھ مل کر اس نے پہلے سے موجود قبور کی بے حرمتی کی اور انہیں اکھاڑ پھینکا اور ان پر نئے مزار کو تعمیر کر کے چندہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ جب اخبارات میں مضمون لکھے گئے تو مافیا نے گھبرا کر اکھاڑی گئی قبور کی جگہ ماربل کی سلیب رکھ دیں۔

حوالہ: کتابچہ پاکستان ریلوے ورکشاپس۔شائع کردہ پاکستان ریلوے لاہور

مزار اقدس
قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ
حضرت الشیخ شاہ حامد قاری سہروردی
سجادہ نشین: پیرزادہ امجد حسین صدیقی - پیرزادہ صداقت حسین صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مزارِ اقدس
قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ
حضرت الشیخ شاہ حامد قاری سہروردی
سجادہ نشین: پیرزادہ امجد حسین صدیقی - پیرزادہ صداقت حسین صدیقی

صفحہ 9 – 14

رسالہ

# معارف - اعظم گڑھ

مضمون نگار : شجاع الدین، ایم اے - لاہور

جنوری 1945 - جون 1945

معارف نمبر 1، جلد 55

# مقبرۂ ابوالحسن تربتی

از
جناب محمد شجاع الدین صاحب ایم اے، لاہور

بیا و نقش عمارات شہریاران بین
کہ این سپہر جفا پیشہ چون بہ بست و شکست

عہد مغلیہ میں اکثر باکمال ایرانی خراسانی اور تورانی وغیرہ ممالک سے تلاش روزگار کے سلسلہ میں وارد ہندوستان ہوا کرتے تھے، اور ان کی قسمت کا ستارہ فضائے ہند میں چمک کر شام غربت کو صبح وطن سے زیادہ تابناک بنا دیتا تھا، اکثر کا بخت رسا انھیں سپہ سالاری صوبہ داری اور وزارت عظمیٰ کے عہدہ تک پہنچا دیتا تھا، علماء ہوں یا شعراء، ماہران انتظام ہوں یا نبرد آزمایان جنگی، ہر جوہر قابل کے لئے سرزمین ہندوستان کی توجہ تھی، یہ الگ بات ہے کہ بعض تیرہ بختوں کا بخت مخفی رشتی جیسا بھی ہوتا ہو،

بہر کیف ابوالحسن تربتی کو آبائی وطن اور بقول غالب گورستان کے وطن مالوف تربت حیدری سے اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان کھینچ لائی، تربت حیدری اُن دنوں خراسان کا مشہور اور مردم خیز شہر تھا، اور آج بھی مملکت ایران کے شمال مشرقی حصے میں صوبۂ خراسان کے دارالسلطنت حضرت امام رضاؑ کے مشہد مقدس سے جنوب کی سمت اور مغرب تقریباً ۹۰ میل کے فاصلے پر آباد ہے، اور ایک متوسط درجے کا قصبہ ہے،

جوہر شناس اکبر نے ابوالحسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دکن کے مفتوحہ علاقوں کا دیوان مقرر کیا، اکبری دور کی مہم ۱۰۰۸ھ میں احمد نگر اور ۱۰۱۰ھ میں اسیر گڑھ کی فتح کے بعد مکمل ہوئی، چنانچہ اسی زمانے میں ابوالحسن یہاں آیا، اس کے آباؤ اجداد اس کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے متعلق ہم کوئی واقفیت نہیں رکھتے، لیکن اس کی کامیاب زندگی بڑے عہدوں کے فرائض کی خوش اسلوبی سے بجا آوری یہ خبر دیتی ہے، کہ وہ کسی اچھے خاندان کا بے بہا لعل اور کسی بلند فلک کا درخشاں ستارہ تھا، ابوالحسن پانچ چھ سال تک بطور دیوان دکن اپنے فرائض منصبی کو جانفشانی اور تندہی سے بجا لاتا رہا، دور جہانگیری کے دوسرے سال جب آصف خان میرزا جعفر کو وکیل سلطنت کا عہدہ تفویض ہوا، تو یہ اس کا سررشتہ دار بنا دیا گیا، اور ۱۰۲۲ھ میں میر بخشی کے عہدے پر فائز کیا گیا، اعتماد الدولہ کی وفات کے بعد ابوالحسن اس کی جگہ دیوان کل مقرر ہوا[۱]، اسے پانچ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا، جلوس جہانگیری کے بیسویں سال دیوانی کا عہدہ نورجہان کے بھائی آصف خان کو اور کابل کی صوبہ داری ابوالحسن تربتی کو مرحمت ہوئی، مگر یہ خود دربار ہی میں رہا، اور اپنے فرزند احسن اللہ ظفر خان کو نائب مقرر کرکے کابل روانہ کیا، مہابت خان کے ہنگامے میں ابوالحسن نے نہایت دلیری اور دلاوری سے ملکہ نورجہان کی حمایت میں جنگ کی اور دریائے جہلم میں ڈوبتا ہوا بمشکل بچا،

۱؎ مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۰ .

شاہجہان کے عہد میں اُسے چھ ہزار ذات اور چھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ [illegible] میں ابو الحسن کو کشمیر کا صوبیدار بنایا گیا۔ مگر یہاں بھی اُس کا فرزند ظفر خان ہی باپ کا نائب بن کر گیا، اور خود شاہی دربار میں رہا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد [illegible] مطابق [illegible] میں ابو الحسن تربتی ستر سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔ صاحب مآثر الامراء اس کے فرزند ظفر خان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

"در لاہور بسا طِ ہستی در نوردید در مقبرۂ پدر مدفون گشت۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ابو الحسن تربتی کا لاہور میں مقبرہ تھا، جس میں اس کا فرزند ظفر خان بھی دفن ہوا۔

دورِ مغلیہ میں دستور تھا، کہ جو غیر ملکی یہاں آکر شاہی ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہوتے، وہ پھر اپنے وطن واپس نہ جا سکتے تھے، اور اس صورت میں ان کو اپنی کل دولت یہیں چھوڑنا پڑتی تھی۔ اس لئے وہ ہندوستان ہی کے کسی شہر میں عارضی جائے اقامت اختیار کر لیتے تھے، اگرچہ سرکاری خدمات کی ادائیگی کے سلسلے میں انہیں مختلف شہروں میں پھرنا پڑتا تھا، مگر پیرانہ سالی کا زمانہ، اور ایام تعطیلات بسر کرنے کے لئے اسی شہر میں آجاتے جسے اپنا مستقر قرار دے کر عمارتیں بنوائی ہوتیں۔ لاہور کی آب و ہوا دہلی اور آگرہ سے بہتر اور ایران و خراسان سے مقابلتاً نزدیک تر ہونے کی وجہ سے اکثر غریب الوطن اُمراء نے اسی شہر کو اپنا وطن قرار دیا تھا، اور یہاں فلک بوس محلات، رشک فردوس باغات اور عالیشان مساجد و مقابر بنوا کر اس شہر کی گوناگوں خوبیوں کو چار چاند لگا دیئے تھے، موسم گرما بسر کرنے کے لئے لاہور کے پاس ہی کشمیر کی حسین سرزمین تھی، مگر اس تمام سامانِ عیش کے باوجود جو انہیں میسر ہوتا تھا وطن کی یاد ان کے دل سے نہ جاتی تھی، اور ہندوستان کو ہمارا شاہی گرفتگی کے باوجود خراسان و ترکستان کا گھر اپنے کی خواہش ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی، جیسا کہ خود ابو الحسن تربتی کے فرزند ظفر خان احسن کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

زبعد اکبر آباد است لاہور ... کہ در خوبی بعالم گشتہ مشہور

بروں آرد ہوایش از فراقت ... دہد یاد از خراسان و عراقت

(۲)

الٰہی تا بود کشمیر آباد ... تو از باغ خراسانم مدہ یاد

بہر کس ہر چہ خواہی دے تو دادی ... مرا کشمیر و بلبل را چمن دہ

چنانچہ بہت سے مغلیٰ اور غریب الدیار امراء کی سربہ فلک عمارتوں نے اس شہر کو عروس البلاد بنا دیا تھا، جن میں نظام الدین بخشی، شیخ فرید بخاری، امانت خان خوافی، آصف خان، علی مردان خان، علامی افضل خان، نواب میاں خان، وزیر خان وغیرہ جیسے جلیل القدر امراء شامل تھے۔ ابو الحسن تربتی بھی جب ہندوستان آیا، تو اس نے بھی اسی شہر میں عمارتیں بنوائیں جو مغل امراء کے مشہور محلہ مغل پورہ میں واقع تھیں، اور اسی جگہ اس کا مقبرہ بھی تھا۔

اس وقت لاہور میں مقبرہ ابو الحسن کے نام سے کوئی عمارت نظر نہیں آتی۔ لیکن لاہور کی قدیم یادگاروں کے متعلق پچھلی صدی کی لکھی ہوئی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ صاحب تحقیقات چشتی اپنی کتاب میں ابو الحسن کے مقبرے کا ذکر تو

[1] مآثر الامراء جلد دوم [illegible]، [2] تحقیقات چشتی صفحہ [illegible] [illegible] میں یہ کتاب مولوی نور احمد چشتی نے جو لاہور کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انگریز حکام کے ایما پر لکھی تھی، اس میں اُن تمام قدیم یادگاروں کے حالات درج ہیں، جو مؤلف کے

کرتے ہیں۔ مگر کسی جگہ اس کو ابوالحسن آصف خان برادر نورجہان سے خلط ملط کیا ہے۔ اور کہیں ان کا فرزند بتایا ہے۔ ایک جگہ نتیجہ اس کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ ابوالحسن آصف خان سے علیحدہ کوئی اور ابوالحسن تھا۔ غرض

ع شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

رائے بہادر کنہیا لال کایستھ کے بیان کے مطابق صاحب مقبرہ ابوالحسن یوسف خان عرف نورجہان کے ماموں تھے۔ سید محمد لطیف صاحب بھی اس مقبرے کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ابوالحسن، ابوالحسن آصف خان برادر نورجہان سے علیحدہ کوئی اور شخص تھا۔ مگر چشتی اور لطیف میں سے کوئی صاحب اس امر کی توضیح نہیں کرتے ہیں کہ یہ ابوالحسن، رکن السلطنت خواجہ ابوالحسن تربتی تھے۔ مگر جب یہ تمام مورخ مقامی روایات کی بنا پر ایک مقبرے کو ابوالحسن سے منسوب کرتے ہیں، اور مآثر الامراء جیسی معتبر کتاب میں خواجہ ابوالحسن تربتی کے مقبرے کا لاہور میں واقع ہونا تحریر ہے، تو اس مقبرہ ابوالحسن کو خواجہ ابوالحسن تربتی کا مقبرہ قرار دینے میں کیوں شک و شبہ کیا جائے۔ ذیل میں اس مقبرہ کا حال بالترتیب قلمبند کیا جاتا ہے۔

۱۰۴۲ھ میں ابوالحسن اس دارِ فانی سے رخصت ہوا۔ اور شاہجہانی عہد کے لاہور کے خوب ترین علاقے یعنی محلہ مغل میں ایک عالیشان مقبرہ اس کی آرامگاہ قرار پایا۔ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ مقبرہ علی مردان خان کی طرح وہ اپنی زندگی میں خود تعمیر کرا چکا تھا یا بعد میں بنوایا گیا۔ خان مذکور کے مقبرے کی طرح یہ بھی اندر سے دو منزلہ تھا۔ اور چاروں طرف آٹھ کمرے تھے جن کی چھت پر خوبصورت چھوٹے گنبد، اور ان کے درمیان میں بڑا گنبد تھا جس پر سنگ سرخ لگا ہوا تھا۔ مقبرہ میں اندر اور باہر نہایت اعلیٰ قسم کی پچی کاری، گلکاری اور کاشی کاری تھی۔ مقبرے کے گرد ایک باغ تھا، اور اس باغ کو سیراب کرنے کے لئے اتنا بڑا کنواں تھا جس پر دس رہٹ بآسائش و فراغت چل سکتے تھے۔ مقبرہ مذکور کے نیچے ایک وسیع تہ خانہ تھا جو اندر ہی کنویں تک آیا ہوا تھا۔ اور کنویں میں اس کی کھڑکی بھی تھی۔ مولوی نور احمد معمر لوگوں کی زبانی لکھتے ہیں کہ اس وسیع تہ خانے کے اندر بھی گلکاری کی ہوئی تھی۔

اسی باغ میں مذکورہ بالا مقبرے کے شمالی جانب ایک اور میانہ کاشی کار گنبد تھا۔ اس میں ابوالحسن کی بیوی مخدومہ بیگم تہ خاک محوِ خواب تھی۔ اس نے یہ مقبرہ اپنی زندگی میں خاوند کی وفات کے بعد بنوایا تھا اور اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنا مقبرہ بہت چھوٹا بنوایا۔ مخدومہ بیگم اس زمانے کی دیگر خاندانی بیگمات کی طرح بہت ہی قابل اور فاضل خاتون تھی۔ دیگر علوم و فنون کے علاوہ فنِ شعرگوئی میں بھی دسترس رکھتی تھی۔ ابوالحسن تربتی جیسے امیر کی بیوی اور ظفر خان احسن جیسے شخص کی ماں کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ مخدومہ بیگم نے بروز دوشنبہ بتاریخ ۴ شعبان ۱۰۵۷ھ میں اس عشرت کدہ فانی کو الوداع کہی۔ ظفر خان احسن ۱۰۸۳ھ میں عالمگیر کے عہد میں فوت ہوا۔ اور اسی جگہ باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ظفر خان احسن کی بیوی بزرگ خانم بنت سیف خان (جو کہ ممتاز زمانی زوجہ شاہنشاہ شاہجہان کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی) بھی اسی خاک کا پیوند بنی ہو۔ اور اپنی ساس کے پاس دفن ہوئی۔

مخدومہ بیگم نے اپنی زندگی میں اپنے جلیل القدر فرزند کے ایما سے اس مقبرے میں ایک مدرسہ قائم کر کے بہت سی جائداد

(بقیہ حاشیہ ص ۸) زمانے میں شہر لاہور کے باہر موجود تھیں۔ چونکہ یہ کتاب محض باخبر لوگوں اور مجاوروں کے بیانات سے مرتب کی گئی تھی۔ اس لئے اس میں تضاد بیان بہت زیادہ ہے۔ تاہم اس سے لاہور کے متعلق بہت سی بیش بہا اور دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ۵ تاریخ لاہور (مطبوعہ ۱۸۸۴ء) ص ۲۲۲ و ۲۲۳ ۲ لاہور (بزبان انگریزی مطبوعہ ۱۸۹۲ عیسوی) صفحہ ۱۵۲۔

صفحہ نمبر ۵۵
کے طلبہ اور اساتذہ و مقربے کی جملہ عمارات میں رہتے تھے ان کی تمام ضروریات اوقاف کی آمدنی سے پورے
وقت کی تھی، مدرسہ میں تمام دینی اور رائج زمانہ کے مروجہ علوم سکھائے جاتے تھے، اور اس عہد کے لاہور کے دوسرے
مدارس کی طرح اس میں بھی دور دور سے طلبہ آتے تھے، ایک ہزار نعت خوان قاری نواب کی قبر پر شب و روز قرآن خوانی
کے لئے مقرر ہوئے۔

اس مقبرے اور باغ کے پاس ہی نواب کے عالی شان بنگلے اور کاشی کار محلات تھے جن کے ساتھ دیگر امراء کے ایوانات
تجارت اور باغات کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا، بازاروں کی رونق، محلات کی شان و شوکت، دولت و ثروت کی افراط اور تجارت
وصنعت کی بہتات کی وجہ سے یہ محلہ مغل پورہ لاہور کے تمام محلوں سے گوئے سبقت لے گیا تھا، اور اس کی گلی کوچوں میں نقیب و کنچن بستے تھے۔
ذرا چشم تصور سے ملاحظہ فرمائیے کہ ایک طرف محلات عالی شان مساجد اور جنت نظیر باغات کے جال اور پاکیزہ محلہ میں ایک
فرحت فزا مقام تھا جس میں کاشی کار دیواروں سنگ سرخ کے فرشوں اور سرخ پتھر کے گنبدوں والے مکان کے اندر ایک
پرسکون اور رنگین ماحول میں طلبہ تمام تفکرات سے بے نیاز ہو کر تحصیل علوم میں مشغول رہتے تھے،

شہنشاہ فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہد میں جب غازی عبد الصمد خان اور نواب زکریا خان دونوں باپ بیٹے یکے بعد
دیگرے لاہور کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے، تو اس مدرسہ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے، اس کے قریب ہی بیگم پورہ کے
ایک رفیع محلات میں ان کا قیام تھا، انہوں نے اس دار العلوم کی سرپرستی قبول کی، اور ہمیشہ طلبہ اور اساتذہ پر انعامات
واکرامات کی بارش کرتے رہتے تھے، اس زمانہ میں اس مدرسہ کے مدرس اعلیٰ حضرت حامد قادری تھے، یہ بزرگوار اس مبارک
زمانہ کے جید علماء میں سے تھے، تبحر علمی کے علاوہ قدرت کی طرف سے انہیں لحن داؤدی بھی عطا ہوا تھا اور ان کے زہد تقویٰ
کا ایک عالم معترف تھا۔

جب تک سرزمین پنجاب اسلامی حکومت کے سایۂ عاطفت میں رہی، اس مقبرے کی رونق اور آبادی قائم رہی،
لیکن جب نا اتفاقی اور خانہ جنگی کے سبب ہندی مسلمانوں کی سطوت اور ثروت نکبت و عسرت میں بدل گئی، تو ان کی
ہیبت سے لرزہ براندام رہنے والے اسلامی حکومت کی لاش کے گرد بھوکے گدھوں کی طرح منڈلانے لگے، اس پر مستزاد یہ ہوا
کہ درانیوں کے بیرونی حملوں نے پنجاب کی مسلم حکومت کی رہی سہی طاقت کو بھی ملیامیٹ کر دیا، اور یہاں سکھوں کا اقتدار قائم ہو گیا
اس گیرودار میں جہاں شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے پنجاب کی سرزمین
لالہ زار ہو گئی، وہاں مقبرے اور مدرسے بھی اس کی زد میں آ گئے، اور اٹھارہویں صدی کے آخری ربع میں محلہ مغل پورہ
کے ساتھ ہی یہ مدرسہ بھی ختم ہو گیا۔

رنجیت سنگھ کے عہد میں نواح لاہور کی تمام اسلامی یادگاروں سے سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر نوچ لئے گئے، اور انہیں
مہاراجہ نے امرتسر اور دوسری عمارتوں کی تعمیر میں خرچ کیا گیا، مفتی غلام سرور مرحوم کا بیان ہے، کہ اس پر آشوب دور میں
مہاراجہ نے بہت سے مقبرے اور دیگر اسلامی یادگاریں تباہ و برباد کر دیں بہت سی یادگاریں پتھر اتارتے ہوئے گر گئیں، اور بقیہ عمارات
جن میں مقبرے اور مسجدیں، اور حویلیاں، غیر مستعمل تھیں، حکومت کے قبضے میں آ گئیں، ان میں کسی میں چھاؤنی تھی، کسی میں

---

یہ ابو الحسن تربتی کا ہے (ص ۲۰۰) جو بیان اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے حافظ اور قاری
وغیرہ قرآن شریف کی تلاوت کرنے کے لئے ملازم رکھے گئے ہوں گے "۵۲" تاریخ مخزن پنجاب (۱۸۷۷ء) ص ۲۰۰،

سرکاری گودام یا کارخانہ کبھی میں گودام بارود کا ذخیرہ تھا کبھی میں فوجی افسروں کی رہائش گاہ تھی، مقبرہ ابوالحسن میں رنجیت سنگھ کے فرنگی جرنیل ایوی ٹیبل رہے، ان کی ماتحت فوجوں کا ذخیرہ بارود رہتا تھا، اور عجیب سنگدلی اس کو بھی نہ تھا،

زمانہ کی نیرنگیاں دیکھئے، کہ جس پاکیزہ عمارت میں تقریباً سوا سو سال تک خوش الحان قاری شب و روز قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے، اس میں بارود بھری گئی، زمانہ نے یہ بھی دکھا دیا کہ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں کبھی گری اس بارود کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی، دھماکے کی آواز دور دور تک سنائی دی، بہت سے محافظ جل مرے، مقبرے کی عمارت کو از حد نقصان پہنچا، اس کا بہت سا حصہ جل گیا، اور دیواریں بارود کے پھٹنے سے اڑ گئیں،

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

گو مغلیہ عمارتوں کی سخت جانی اور استحکام ملاحظہ ہو کہ سوختہ دیواروں پر سیاہ رنگ کا جھلسا ہوا گنبد پھر بھی قائم رہا، اگر یہی پڑا رہتا، تو بھی غنیمت ہوتا کہ اسلامی آثار کے ذریعہ اسی کو دیکھ کر عہد رفتہ کی یاد تازہ کر لیتے، لیکن زمانہ نے اس نقش کو بھی نہ چھوڑا، ۱۸۴۹ء میں پنجاب میں انگریزی حکومت کا آغاز ہوا، یہ وہ دور ہے جس میں محققین آثار عتیقہ اور علماء تاریخ نے قدیم ٹیلوں کو کھود کر، جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھان کر، پتھروں، شکستہ برتنوں اور زنگ آلود سکوں کی زبانی عہد عتیق کی تاریخ مرتب کی ہے، لیکن شومئی بخت دیکھئے، کہ اسی عہد میں لاہور کی اکثر قدیم اسلامی یادگاریں تباہ و برباد ہوئیں، یا کارکنان محکمۂ آثار قدیمہ کی تغافل شعاری کا شکار ہو کر کس مپرسی کی حالت میں بہت جلد مٹنے کو ہیں،

جدا ہے مقسوم اپنا اپنا الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
دیا ہے اس شوخ دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی

بہر کیف ۱۸۶۴ء تک مقبرے کی عمارت موجود تھی، تحقیقات چشتی میں اس کے حالات درج ہیں، ۱۸۸۲ء کی شائع شدہ تاریخ لاہور مؤلفہ رائے بہادر کنہیا لال سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس وقت اس مقبرے کا نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا، اور صرف محترمہ مخدومہ بیگم صاحبہ کا مقبرہ اور کنواں باقی رہ گئے تھے، مقابر کی نفیس اور قیمتی عمارات کے کھنڈرات یہ

---

؎ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں بہت سے فرنگی افسر جرنیل تھے جن میں سے اکثر نپولین بونا پارٹ فرانس کے قدیم ملازم تھے، اور اس کی وفات کے بعد تلاش روزگار میں ادھر آگئے تھے، ان میں ونتورا، الارڈ، کورٹ اور ایوی ٹیبل وغیرہ مشہور ہیں، ان کی مدد سے رنجیت سنگھ نے اپنی فوجی قوت کو پنجاب کی جنگجو اقوام پر مسلط کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا تھا، جب ایوی ٹیبل پشاور کا فوجی گورنر ہوا، تو اس نے غیور پٹھانوں کو غلامی پر رضامند کرنے کے لئے ان پر بڑے ستم ڈھائے، روزانہ بیسیوں پٹھانوں کو پھانسی دینا اس کا معمول تھا، عوام اس کا نام بگاڑ کر اسے ابو طبیلہ صاحب کہا کرتے تھے۔ ؎ اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں جب تیمور کے حملوں سے سلطنت پنجاب کا شیرازہ بکھر گیا، تو سکھوں نے موقع پاکر پنجاب کے شہروں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، اسی دور میں لاہور بھی جو کہ ایک وسیع اور خوبصورت شہر تھا، لٹ گیا، ۱۷۹۹ء میں جب رنجیت سنگھ نے اس شہر پر قبضہ کیا، تو تمام شہر کے چاروں طرف میلوں تک کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے، اس نے قدیم اکبری شہر کے گرد خندق اور ذیل فصیل بنوا کر اسے آباد کیا، اور بیرون شہر کے کھنڈرات کی اینٹیں نئی عمارات میں استعمال کی جانے لگیں، کھنڈرات کے علاوہ اینٹ پتھر کے لالچ نے بہت سی دیدہ زیب یادگاریں بھی صفحۂ ہستی سے محو کر دیں، انگریزی عہد میں بھی کئی سال تک یہ اینٹیں بکتی رہیں، اکثر عمارات کی بنیادیں کھود کھود کر گھروں کو

کی زینتیں بک چکی تھیں، اور باغ خود خزاں ہو گیا تھا، [illegible] کے بعد خود مہر بیگم کا مقبرہ بھی نیلام ہو کر گرا دیا گیا،

ترے کمال ستم کی یہ یادگار رہے
نہ ہم رہیں نہ ہمارا کہیں مزار رہے

سید محمد لطیف کی کتاب لاہور مطبوعہ ۱۸۹۲ء سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس فلک نشان عمارت کی یادگار صرف اسکا بڑا کنواں باقی رہ گیا تھا، باغ مقابر اور حویلیوں نے لق و دق میدان کی صورت اختیار کر لی تھی، مگر آج اس کنوئیں کا نشان بھی ڈھونڈے نہیں ملتا، جس جگہ یہ مقابر تھے، وہاں اب ریلوے جنرل سٹورز اور کارخانے تعمیر ہو چکے ہیں،

مغلپورہ کی شوکت رفتہ کی یادگار اب صرف علی مردان خان کا فلک بوس مقبرہ، مدرسہ ابوالحسن تربتی کے مذکورہ باقیات، حضرت حامد قادری کا مزار اور نصرت خان کا مقبرہ باقی رہ گئے، اول الذکر دونوں یادگاریں ریلوے سٹور کے اندر ہیں، انہیں بلند دیواروں میں محصور کرکے ایک چھوٹا سا راستہ بنا دیا گیا ہے، اور ہر شخص ان کی زیارت کر سکتا ہے، مقبرہ نصرت خان ریلوے کیرج شاپ کے اندر ہے، اس کی ملحقہ مسجد اور دیگر مکانات گرائے جا چکے ہیں، اور وہاں تک جانے کے لئے کوئی راستہ نہیں، ان کارخانوں کے پاس ہی لاہور سے امرتسر کی جانب جانے والی ریلوے لائن کا پہلا اسٹیشن واقع ہے، جس کا نام قدیم مغلیہ محلے کے نام پر مغلپورہ رکھا گیا ہے،

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت
رفت منزل بدیگرے پرداخت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) بن گئے تھے، مگر زینتیں ختم نہ ہوئی تھیں، آخر انگریزوں نے شہر میں ان گڑھوں کا وجود حفظان صحت و جان کے لئے خطرہ قرار دے کر انہیں بند کرا دیا، اور اینٹوں کا نکالنا حکماً روک دیا، انگریزی عہد کے آغاز میں جو مایۂ ناز یادگاریں سرکاری محکموں یا بعض افراد کی مہربانی سے برباد ہوئیں، ان میں ان مقابر کے علاوہ جامع مسجد جہانگیر (عید گاہ) مقبرہ قاسم خان، مدرسہ و خانقاہ، مسجد دارا شکوہ، مسجد شاہ بدر، سرائے گڑیاں والی، مسجد خواجہ نوراللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، علاوہ بریں بعض دیگر یادگاروں کی طرح حکومت پنجاب کے محکموں نے نیلام کرا دیئے، اور خریدنے والے ٹھیکیداروں نے انہیں گرا کر اینٹیں فروخت کر دیں،

## خط و کتابت کے لئے

### ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے، چندے اور معارف و مطبوعات دار المصنفین کے اشتہارات اور فرمائشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے کی جائے، ان کاموں کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل میں دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائیں گے

سید سلیمان ندوی

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

1780
S

# لاہور کا گائیڈ

جس میں لاہور کے علاوہ

[illegible] پنجاب کے حالات بھی درج ہیں

مرتبہ

بزم اردو لاہور

STATE CENTRAL LIBRARY

مولوی عبدالحق صاحب کے اہتمام سے

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپی

قیمت /۱۲

سرورق باہتمام پیارے لال بہار گوڈ لنکنو پریس لاہور میں چھپا

صفحہ 208

کتاب

# تاریخ جلیلہ

از

## غلام دستگیر نامی

صابر الیکٹرک پریس، میکلوڈ روڈ، لاہور

2008ء

ان کی عزّت کرتے ہیں آپ رسالہ غوثیہ کے مصنف ہیں جس میں حضرت میانمیرؒ اور دیگر اولیا کے حالات درج ہیں۔ آپ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں جاں بحق تسلیم ہوئے اور دہلی دروازہ سے باہر باغ میں دفنائے گئے۔ کہتے ہیں کہ کنور نونہال سنگھ نے مسٹر الرڈ کو حکم دیا کہ شہر کے گرد جتنی عمارتیں ہیں سب صاف کرادو۔ مزار شاہ محمد غوثؒ بھی اس حکم کے مطابق گرایا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف درخواست کی مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ جس رات کے اگلے دن مزار منہدم ہوتا تھا اسی رات مہاراجہ کھڑک سنگھ مرگیا۔ نونہال سنگھ باپ کو جلا کر واپس آ رہا تھا کہ حضوری باغ کے دروازے کا ایک حصہ اس پر گر پڑا اور وہ اپنے ساتھی ادھم سنگھ پسر راجہ گلاب سنگھ سمیت دب کر ٹھنڈا ہوگیا اور خانقاہ انہدام سے بچ گئی روضہ کے ساتھ جنوب کی طرف جو مسجد ہے وہ غلام نبی کی بنائی ہوئی ہے۔ آپ قطب العالمؒ سے ۲۴۲ سال بعد فوت ہوئے۔

## شیخ حامد قادریؒ

بن حسن راجپوت شاگرد مولوی تیمور اپنے وقت کے جیّد علما میں سے تھے۔ ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں میاں وڈھؒ کی وفات سے ۱۴ برس بعد لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں یہیں وفات پائی۔ ملفوظات اور حرمتِ حقہ آپ کی دو کتابیں نایاب ہیں۔ آپ مقبرۂ نواب ابوالحسن آصف خاں شاہ جہان کے کارخانۂ عبادت کے مہتمم تھے اور لاکھوں روپیہ کے سالانہ مصارف آپ ہی کے ہاتھ سے ہوتے تھے۔ آپ کا مزار خانقاہ میاں وڈھ سے کچھ فاصلہ پر مغرب کی طرف باغبانپورہ سے اس طرف ریلوے کارخانوں کے درمیان سڑک سے دو سو قدم کے فاصلہ پر جانبِ مغرب ایک وسیع احاطہ میں ہے مغرب کی طرف مختصر سی مسجد ہے جو قاری صاحب موصوف نے ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۷۲۸ء میں بعہدِ نصیرالدین محمد شاہ بادشاہ بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر سے ۲۵ برس بعد آپ بعہد احمد شاہ (تیموری درّانی) جاں بحق تسلیم ہوئے یعنی قطب العالمؒ سے ۲۵۶ سال بعد حافظ جان محمد قاری آپ کی خانقاہ کے مدرسوں میں سے تھے۔ قطب العالمؒ سے ۱۳۴ سال بعد مسجد وزیر خاں بنی۔ مقبرۂ جہانگیر ۱۳۷ سال بعد تعمیر ہوا۔ شالامار باغ ۱۴۴ سال بعد معرضِ وجود میں آیا۔ شاہی مسجد ۱۷۴ سال بعد سنہری مسجد ۲۵۷ برس بعد وجود پذیر ہوئی۔

## درگاہوں کے چشم دید حالات

کاتب صاحب نے مضمون نقل کرنے کے بعد اطلاع دی، کہ بزرگانِ دین کے متعلق مزید مضمون

صفحہ 111 اور 112

کتاب

# تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور

از

## اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

مئی 1987ء

مدارس علم دین کی اشاعت عام کرتے۔ عوام میں اسلامی نظریات کو فروغ دیتے اور پھر ایسے شاگردوں کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دور ہی رہے۔ قرآن و حدیث کی کتابت سے قوتِ حلال کماتے اور بسر اوقات کرتے۔ آپ ۸ محرم الحرام ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء میں واصلِ بحق ہوئے اور اپنے مدرسہ کے ایک گوشہ میں دفن ہوئے۔ آج آپ کا مزار میانی کے قبرستان میں بڑے عالی شان گنبد میں ہے اور آپ کی اولاد میں سے سید بشیر حسین گیلانی طاہری مزار کے تمام انتظامات کی نگرانی کرتے ہیں۔ بڑے متوکل سجادہ نشین ہیں۔

حضرت طاہر بندگی کی وفات کے بعد آپ کے ایک شاگرد مولانا ابو محمد قادری نے مدرسہ جاری رکھا مدرسہ کے اردگرد ایک محلہ میانی آباد ہوگیا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ تھا جسے سکھا شاہی نے تباہ کردیا۔ رائے بہادر کنہیا لال نے لکھا ہے کہ سکھوں نے اس محلے کو لوٹتے وقت اس بیش بہا کتب خانے کو بھی جلا کر راکھ کردیا جس میں بڑی نادر کتابیں تھیں۔ سکھوں کے عہد میں یہ محلہ اور مدرسہ اجڑ گیا اور آبادی معدوم ہوکر قبرستان میں تبدیل ہوگئی۔ اس وقت یہ علاقہ لاہور کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ قبرستان کے وسط میں حضرت طاہر بندگی کا مزار ہے۔ مولینا سید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد داتا گنج بخشؒ ایک عرصہ سے ہفت روزہ درس مکتوبات امام ربانی مزار کے پہلو میں بیٹھ کر دیتے ہیں۔

؎ مدرسہ ابوالحسن خان تربتی: لاہور کا یہ مشہور مدرسہ مغلپورہ میں واقعہ تھا۔ نواب ابوالحسن خان شاہجہان کے عہد میں وزارتِ عظمیٰ پر فائز تھا مگر اشاعت علوم اسلامیہ کا بڑا دلدادہ تھا۔ وہ ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء میں فوت ہوا اور بڑی جائیداد چھوڑی۔ نواب مرحوم کی بیگم مخدومہ جہاں کہلاتی تھی۔ وہ اسلامی علوم میں بڑی ماہر تھی اس نے اپنے خاوند کے ایصالِ ثواب کے لیے یہ مدرسہ بطور یادگار صدقہ جاریہ بنایا۔ ایک ہزار حافظانِ قرآن مقرر ہوئے جو دن رات نواب مرحوم کے مزار پر تلاوتِ قرآن کرتے۔ یہ نیک خاتون ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۶ء بروز پیر ۴ شعبان کو فوت ہوئی اور اسی مقبرہ میں دفن ہوئی۔ اس مدرسہ میں مولانا حامد قاری درس دیا کرتے تھے۔ مولانا حامد قاری بڑے فصیح اور خوش بیان واعظ تھے۔ لوگ دور دور سے آپ کے پاس چل کر آتے اور استفادہ کرتے۔ آپ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء کو فوت ہوئے اور مدرسہ کے ایک گوشے میں دفن ہوئے (علماء کرام اور دینی مدرسے از مولانا علم الدین سالک) آپ کے ملفوظات اور حرمت حقہ بڑی مشہور کتابیں تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد حافظ رحمت اللہ صدر مدرس مقرر ہوئے۔ (باقی بر صفحہ آیندہ)

ذہنی تربیت کرتے جو مستقبل میں سیاسی اور سماجی ذمہ داریوں میں ایک صحیح انسان کی حیثیت میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لاہور میں سکھا شاہی نے اس مدرسہ کو بھی ویران کر دیا۔ یہ مدرسہ ریلوے سٹور کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہے۔

شہ مدرسہ شیخ بہلول: یہ مدرسہ شاہجہانی دور میں بڑی علمی یادگار تھا۔ مآثر الآثار کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ بہلول ایک جید عالم دین اور وقت کے ممتاز فاضل تھے۔ ان کی شہرت کا آفتاب جہانگیر کے آخری ایام حکومت میں نصف النہار پر تھا۔ اسی مدرسہ میں قاضی اسلم نے ہرات آکر تعلیم پائی اور اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں شمار ہوئے۔ قاضی اسلم کے صاحبزادے میرزاہد نے بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی جو علم الکلام اور حکمت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے شرح مواقف اور دیگر کتب پر مفید حواشی لکھے۔

شہ مدرسہ ملا فاضل قادری: یہ مدرسہ جیل روڈ پر اس جگہ واقع تھا جہاں بورسٹل جیل کا دروازہ ہے۔ ملا فاضل قادری عالم دین اور ولی اللہ تھے۔ حکومت کی طرف سے آپ کو جو کچھ وظیفہ ملتا، طلباء پر خرچ کر دیتے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگرد شاہ شرف نے تدریس جاری رکھی۔ استاد شاگرد دونوں اسی جگہ مدفون ہیں۔ صاحبِ تحقیقات چشتی نے لکھا ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جو اب بالکل مٹ گئی ہے۔

شہ مدرسہ وزیر خاں: یہ مدرسہ لاہور کے مشہور مدارس میں تھا۔ حکیم علیم الدین انصاری بانیٔ مسجد وزیر خاں نے جاری کیا۔ مسجد وزیر خاں کی بنیاد ۱۰۴۲ھ میں رکھی گئی اور ۱۰۴۵ھ کو مدرسہ جاری کیا گیا۔ اس مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے نواب وزیر خان نے بہت سی جائیداد وقف کی۔ اس وقت جائیداد کا وصیت نامہ سید محمد لطیف جج اور مولوی نور احمد چشتی نے اپنی تصانیف "تاریخ لاہور" اور "تحقیقات چشتی" میں درج کر دیا ہے۔ اس وصیت کے مطابق اس اسلامی درس گاہ کو ہر اس شعبہ سے مزین کیا گیا جو علمی استعداد اور ترقی میں کسی طرح بھی مدد و معاون ہو سکتا تھا حتیٰ کہ جلد سازوں، قلم کاروں اور کاتبوں کو دکانیں اور حجرے مہیا کیے گئے۔ یہ مسجد اور مدرسہ اہل علم کی نگاہوں کو متاثر کرتا اور دنیا بھر کے سیاح اس کے حُسنِ انتظام کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں مختلف مدارس کے علماء، طلباء علمی موضوعات پر گفتگو کرتے۔ مسجد کے عالی شان دروازے کے سامنے ہفت روزہ منڈی لگتی جس میں کتابیں، قلمیں، روشنائیاں، سامانِ جلد سازی اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

صفحہ 55 اور 64

کتاب

# تذکرۃ العلماء والمشائخ

از

## محمد الدین فوق

ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

1338ھ / 1920ء

گلزار محمدی سٹیم پریس—لاہور

# تذکرۃ العلماء والمشائخ

جس میں لاہور کے قریباً سو علماء کرام اور مشائخ عظام کا ذکر ہے جو پانچویں صدی ہجری [illegible] سے لیکر [illegible] اپنی علمی مجالس اور برکتوں کی وجہ سے فخر البلاد بنا رہے تھے [illegible] [illegible] یہ علمی سرمایہ [illegible] اشاعت [illegible] [illegible] [illegible] خلاصہ ہے

مرتبہ

محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق سنہ [illegible] میں

مطبع [illegible] پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد [illegible] چھپا

قیمت فی جلد [illegible]

بار اول

**مولوی حافظ جان محمد** تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ آپ نواب ذکریا خان صوبہ لاہور کے صاحبزادوں کے استاد تھے بزمانہ ۱۱۶۳ھ ایک دو سال تک پڑھایا۔ بعد حکام وقت ان کے علم و فضل کی وجہ سے ان کی بہت قدر کرتے تھے ان کے خوان علم سے صد ہا لوگ مستفیض ہوئے حضرت شاہ قادری کے خادموں میں تھے اور ان کی خانقاہ میں ایک عرصہ تک درس دیتے رہے۔ ان کے صاحبزادہ مولوی حافظ رحمت اللہ کے ذریعہ بھی بہت لوگ فضیلت کے مراتب کو پہنچے ان کا درس بھی خانقاہ حضرت شاہ قادری میں جاری رہا [illegible] آپ کے صاحبزادہ مولوی محمد بخش [illegible] مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے عہد میں تجارت کتب اور صحافی کا ایک عظیم کارخانہ کھولا جس پر ہزاروں روپے ماہوار کا خرچ آتا تھا اور جس میں مختلف مشہور نقاش خوش نویس [illegible] سارا کام کرتے تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ ابھی چھاپے کا رواج نہ تھا ان کے کارخانہ کی کتابیں معقول قیمتوں پر [illegible] دور دراز [illegible] تک جاتی تھیں [illegible] کنہیا لال نے تاریخ لاہور میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مفتی غلام سرور نے گنج تاریخ میں [illegible] محمد بخش [illegible] سے آپ کا قطعہ تاریخ وفات ۱۲۰۴ھ نکالا ہے۔ خواجہ احمد کشمیری [illegible] حضرت [illegible] سے آ کر [illegible] حضرت [illegible] پر قبضہ کیا اور [illegible] خانقاہ کی مرمت کر کے مولوی محمد بخش کو اس کا متولی مقرر کیا۔

**ملا عبد الحمید شاہجہانی** [illegible] لاہور تھا۔ نہایت عالم فاضل اور مدبر تھے جب شاہجہان [illegible] نے ان کو اپنی تاریخ لکھنے کے لئے [illegible] بلایا ہے تو آپ پٹنہ میں [illegible] کی خدمت پر مامور تھے شاہجہان نے حکم دیا ابوالفضل نے جس طرز پر اکبرنامہ مرتب کیا ہے اسی نمونہ پر ہماری سلطنت کا حال [illegible]

[illegible] انہوں نے بھی آپ [illegible] مولوی محمد بخش [illegible] مولوی غلام محی الدین [illegible] مولوی [illegible] الدین [illegible] نہایت دلچسپی [illegible] لاہور [illegible] مشہور [illegible]

نواب سرفراز خاں کے شہید بھائی نواب شاہنواز خاں کے بیٹے تھے۔ ۲ فروری ۱۹۰۲ء کو انتقال کر گئے

## مولوی احمد بخش یکدل چشتی

سکھوں کے عہد میں لاہور کے نامی لوگوں میں تھے۔ درس تدریس کا سلسلہ ورثہ سے چلا آتا تھا اس لئے اکثر لوگ ان سے فیضیاب ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ جاگیر بھی دی تھی اور کچھ نقد بخشش بھی۔ سلطنت انگلشیہ کے استحکام ۱۸۴۹ء پر یہ جزوی جاگیر اور بخشش ہوئی بعد نسلاً بعد نسل ان کے بڑے لڑکے مولوی نور احمد کی حیات تک [illegible] ۱۸۵۷ء میں مولوی احمد بخش یکدل معہ اپنے فرزند اکبر مولوی نور احمد کے دہلی گئے اور ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ مولوی احمد بخش اردو اور فارسی کے شاعر تھے یکدل تخلص تھا بادشاہ بھی شاعر تھا اور شعرا اور اہل علم کا قدردان۔ مولوی صاحب اور ان کے فرزند کو خلعت عطا کیا اور مولوی صاحب کو فخر الشعرا کا خطاب عطا کرنے کے علاوہ حسب ذیل مہر کندہ کرا کر عطا کی "فصیلت پناہ یکدل آگاہ فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل فدوی محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی"۔ راقم الحروف نے مولوی احمد بخش یکدل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک غیر مطبوعہ ڈائری دیکھی ہے جس میں اکثر تاریخی وطبعی اور دلچسپ واقعات درج ہیں۔ مولوی یکدل اپنے قابل فرزند مولوی نور احمد کے انتقال سے ناقابل برداشت صدمہ کی وجہ سے ۲۰ نومبر ۱۸۶۲ء کو انتقال کر گئے۔ مولوی یکدل کے بھتیجے مولوی [illegible] بھی یکدل تخلص [illegible] ان کے پوتے عزیزی مولوی محمد علی صاحب چشتی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح صوفیائے کرام سے پوری عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی خدمت اپنا فخر سمجھتے رہیں۔ انگریزی فارسی اور اردو میں نہایت قابل ہیں۔ اکثر مضمون اخباروں میں آپ کی تحریر [illegible] اہل قلم میں [illegible] نثر و نظم پر آپکو پورا عبور ہے۔ [illegible] چشتی [illegible] خواجہ غریب النواز [illegible] کرتے ہیں [illegible] ہے صحیح معنوں میں آپ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ان کا نام روشن کر رہے ہیں [illegible] آپ کا شمار ہوتا ہے [illegible] صاحبزادہ مولوی [illegible] علی چشتی [illegible] شریف میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب سے [illegible] ذاتی لائبریری قابل دید ہے

[illegible] مولوی محمد علی چشتی کچھ سال ہوئے انتقال کر چکے ہیں

صفحہ 207 - 212

کتاب

# لاہور کے اولیاء سہر ورد

از

محمد دین کلیم

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

1969ء

پہلے پرویز آباد (موجود کوٹ خواجہ سعید) میں مدفون ہوئے۔ تین سال بعد آپ کا جسد وہاں سے نکال کر آبادی درس میاں وڈا رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کے خانقاہ عالیہ کے اندرون حضرت میاں صاحب مذکور کے مزار کے پاس دفن کی گئی۔ مزار پر یہ اشعار لکھے ہیں :

جہاں معنی جان محمد
کہ از عشق محمد گشت محمود

خرد از فضل حق تاریخ سالش
وصل عاشق و معشوق فرمود

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## شیخ حامد قاری سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا نام شیخ حسن عالم تھا۔ قرات قرآن پاک میں بہت نام پیدا کیا۔ زہد و ورع میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ولادت آپ کی ۱۱۷۰ھ بمطابق ۱۷۶۰ء عہد محمد شاہ میں ہوئی اور محلہ نور میں مقیم تھے۔

بیعت آپ نے مولوی تیمور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی۔ ان کا شجرہ مرشدی اس طرح ہے مولوی تیموری لاہوری مرید شیخ عبدالکریم مرید مخدوم طیب مرید مخدوم برہان مرید مخدوم چنن مرید شیخ سیلون مرید حسان الدین متقی مرید شیخ صدر الدین مرید شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی مرید شیخ شہاب الدین عمر سہروردی مرید شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی مرید شیخ وجیہ الدین مرید محمد بن عمویہ مرید احمد اسود دینوری مرید حضرت جنید بغدادی مرید خواجہ سری سقطی مرید خواجہ معروف

کرخی مرید حضرت داؤد طائی مرید حضرت امام علی موسیٰ رضا مرید خواجہ حسن بصری مرید حضرت علی المرتضیٰ اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ۔

آپ بڑے عالم فاضل اور پرہیزگار بزرگ تھے، جس جگہ آپ مدفون ہوئے وہاں ہی درس دیا کرتے تھے۔ مسجد قدیم اب تک موجود ہے جو آپ نے ۱۷۲۸ء میں بنوائی تھی مگر ریلوے ورکشاپس کے اندر آجانے کی وجہ سے غیر آباد ہے کیونکہ اندر جانے کے راستہ آہنی جنگلہ سے ہر وقت بند رہتا ہے، مسجد کے ساتھ ہی کسی زمانہ میں یہاں ایک تالاب بھی تھا جس کا طول چوبیس فٹ اور عرض چودہ فٹ تھا یہ تالاب تین فٹ گہرا تھا۔

حکام شاہی آپ کی خدمت سے بہت فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ قرآن خوانی آپ پر ختم تھی، اس وجہ سے قاری کا خطاب ملا تھا۔ آپ نے ایک رسالہ حرمت حقہ و تمباکو میں تحریر فرمایا اور آپ کے ایک مرید نے آپ کے ملفوظات اکٹھے کیئے۔ محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں آپ کا فتویٰ لاہور میں چلتا تھا۔ بہت ناموری اور شہرت حاصل تھی۔

## مدرسہ حامد قاری

آپ نے ایک مدرسہ قرآن پاک و ناظرہ و حفظ کے لیئے بھی یہاں کھولا ہوا تھا جس کے اخراجات کے لیئے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگھہ زمین مزروعہ وقف کی ہوئی تھی اور بعد ان کے جو حاکم بھی آتا رہا یہ معافی بحال رکھتا رہا اور سکھوں کے عہد میں یہ معافی ضبط ہوئی۔ نواب ابوالحسن آصف خان نے جو مدرسہ بنوایا تھا آپ اس کے ناظم اعلیٰ تھے اور لاکھوں روپوں کے سالانہ اخراجات آپ کے ہاتھوں ہوتے تھے۔

مزار پرانور ویسٹ مین روڈ نزد مقبرہ نواب علی مردان کے ساتھ ایک چار

دیواری میں واقع ہے جہاں آنا جانا بہت مشکل ہے۔ وفات ۱۶۵۵ء مصنف "حدیقۃ الاولیاء" مفتی غلام سرور نے تحریر کی ہے جو کہ شہاب الدین شاہجہاں کا عہد حکومت تھا۔ ۹۵ سال آپ کی عمر تھی، مصنف "تحقیقات چشتی" نے آپ کی تاریخ وفات ۱۱۲۶ھ بمطابق ۱۷۵۲ء بعہد خان بہادر ناظم لاہور تحریر کی ہے اور مصنف "تاریخ لاہور" نے تاریخ وفات ۱۱۶۴ھ تحریر کی ہے۔ اس قدیم قبرستان میں بھی بہت سی قبور ہیں، بڑ کا ایک قدیم درخت اور نیم کے بہت سے درخت موجود ہیں۔ گھاس پھوس کی بھی کثرت ہے، عرس دسمبر کے مہینے میں ہر سال ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے تاریخ وفات اس طرح لکھی ہے ۔

حامد آں قاری قرآن عظیم — بود محبوب جناب ذوالمنن
افضل و اقطاب والد جاہ گو — سال تولیدش باقول ضمن
بہر تاریخ وصال آنجناب — گفت سرور حافظ و حامد حسن

احاطہ قبرستان میں بیشمار خاندانی قبور کے مفتی علی الدین سررشتہ دار اور خیرالدین والد مفتی علی للدین لاہوری کی قبور ہیں۔ غیاث الدین صدیقی صاحب خلف محمد جمال صدیقی مرحوم سے مزید درج ذیل حالات ملے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## حافظ جان محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حامد قاری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ لاولد تھے اس لیئے ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور مرید حافظ جان محمد سہروردی مدرس اعلیٰ اور امام مسجد مقرر ہوئے۔ ان کو خانقاہ کی تولیت عہد خان بہادر نواب زکریا خان ناظم لاہور میں ملی۔

آپ محمد شاہ روشن اختر اور عالمگیر ثانی کے زمانہ میں لاہور کے ایک نہایت عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ بقول مصنف " تحقیقات چشتی " آپ نواب زکریا خاں کے اتالیق تھے۔ آپ کا شاگر نواب یحییٰ خان آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ کا مزار اندرون چار دیواری واقع ہے۔ نزدیک ہی ون کا درخت ہے۔

## حافظ رحمت اللہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حافظ جان محمد سہروردی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کا درس بھی خانقاہ میں بدستور جاری رہا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے سبب مغلپورہ سے اندرون شہر منتقل ہو گئے اور شہر میں درس شروع کر دیا۔ کوچہ حافظ رحمت اللہ نزد چوہٹہ مفتی باقر خرادی محلہ آپ کے نام سے آج تک مشہور و معروف ہے۔ آپ کی قبر اندرون چار دیواری یعنی احاطہ حضرت قاری سے باہر ہے۔ حافظ محمد بخش صحاف آپ کے فرزند تھے۔

## حافظ محمد بخش صحاف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ آپ کا مکتبہ صحافیہ بہت مشہور تھا۔ سکھوں کے عہد میں آپ نے تجارت کتب و صحائف کا ایک عظیم الشان کارخانہ کھولا۔ آپ کو امیر افغانستان کی طرف سے ملک الصحاف کا خطاب ملا تھا۔ آپ کے کارخانہ کی تیار شدہ کتب ایران و خراسان تک برائے فروخت جاتی تھیں۔ قرآن مجید کی لکھائی اور چھپائی کا خاص انتظام تھا۔ وفات ۱۲۶۳ء ہے۔ مزار اندرون چار دیواری حضرت حامد قاری رحمۃ اللہ علیہ موجود ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔

### ۱۔ حافظ بخش

ان کا مزار بھی اس احاطہ میں واقع ہے۔ ان کے صاحبزادے کا نام فیض

بخش تھا۔

## ۲- مولوی فضل دین

ان کا مزار حضرت گھوڑے شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پاس تیزاب احاطہ میں واقع ہے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ مولوی سراج الدین، غلام محی الدین المعروف مولا بخش، مولوی فیروز الدین صدیقی۔

## ۳- حافظ خیر دین

ان کا مزار بھی خاندانی قبرستانی (قبرستان اندرون احاطہ حضرت حامد قاری) میں واقع ہے۔ آپ کے تین فرزند تھے (۱) چراغ دین (۲) رمضان (۳) امیر بخش تھے۔

## مولوی فیروز دین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم گرامی مولوی فضل دین صدیقی تھا۔ وفات ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ آپ کی قبر بھی اپنے والد گرامی مولوی فضل دین کے جوار میں قبرستان حضرت گھوڑے شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قرب میں بنی۔ آپ کے پانچ صاحبزادے ہیں۔

(۱) حاجی شاہ دین صدیقی (۲) غلام محی الدین صدیقی (۳) منور الدین صدیقی (۴) علامہ علاؤالدین صدیقی سابق صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، موجودہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی اور (۵) محمد جمال الدین صدیقی مرحوم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# محمد جمال الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولوی فیروز الدین صدیقی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ سن ولادت ۱۸۸۹ء ہے۔ والد گرامی کی وفات کے بعد آپ درگارہ حضرت حامد قاری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ درگاہ حضرت شاہ عبدالمنان حضوری برقعہ پوش (ہال روڈ) درگاہ حضرت کریم شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور درگاہ عبداللہ گیلانی المعروف خانقاہ پیر روڑاں والی کے متولی تھے۔ اولیائے اللہ کے مزارت پر حاضری آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ نے حضرت حامد قاری کے کچے احاطہ کو گرہ خاص سے پختہ کرایا' نیا کنواں کھدوایا مزید برآں کوشش کر کے چار دیواری حضرت حامد قاری کے چاروں کونوں پر بجلی کے چار پول لگوائے۔ حضرت کریم شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور تعویذ کی مرمت کروائی۔ یہ مزار میاں معراج دین ممبر اسمبلی کی کوٹھی اور ویٹ مین روڈ کے مقام اتصال پر ہے۔ حضرت عبدالمنان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا راستہ سڑک کی طرف کروایا اور فرش لگوایا چاہ پانی وائیاں والا کو بند کروا کر ہینڈ پمپ لگوایا۔ پیر روڑاں والا (نواب علی مرادن خان کا مرشد) کا مزار جس پر کسی زمانہ میں بہت عظیم الشان گنبد تھا اب قبر سطح زمین کے برابر تھی آپ نے ہی درست کروایا۔ نیز آپ حضرت حامد قاری کے عرس سے فارغ ہو کر شام کو یہاں بھنڈراہ تقسیم کرانے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ بہت اچھے مصور تھے۔ آپ کی قبر بھی اندرون احاطہ حضرت حامد قاری رحمۃ اللہ علیہ واقع ہے۔

وفات ۱۴ جولائی ۱۹۶۵ء میں ہوئی۔ آپ کے بچوں کے نام یہ ہیں (۱) ضیاء الدین احمد صدیقی (۲) سعید الدین صدیقی (۳) غیاث الدین صدیقی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صفحہ 380 سے 384 تک

کتاب

# مدینۃ اولیاء لاہور

از

## محمد دین کلیم

## اسلامک بک فاؤنڈیشن

لاہور

جاتا ہے۔
مثنوی مولانا رومؒ کو نہایت شرح وبسط سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ شرح مثنوی مولانا رومؒ ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء میں مکمل کی۔

مصنف تذکرۃ اصفیاء نے آپ کی تاریخ وفات ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء تحریر کی ہے اور ذکر جمیل میں بھی یہی درج ہے جو کہ محمد شاہ رنگیلا بادشاہ دہلی کا عہد تھا۔ مزار آنجناب کا محمد نگر میں بیبیاں پاک دامناں کے قبرستان نزد مقبرہ بی بی حاج و بی بی تاج واقع ہے۔

ان دنوں ناظم لاہور نواب زکریا خاں تھا۔

## ۴۷۲۔ حضرت شیخ حامد قاری سہروردیؒ

آپ کے والد کا نام شیخ حسن عالم تھا۔ قرأت قرآن میں بہت نام پیدا کیا۔ زہد و ورع میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ولادت آپ کی ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۹۰ء عہد محمد شاہ میں ہوئی اور محلہ نور بیں مقیم تھے۔

بیعت: آپ نے مولوی تیمورؒ لاہوری سے کی تھی ان کا شجرہ مرشدی اس طرح ہے۔

مولوی تیمور لاہوریؒ مرید شیخ عبدالکریمؒ مرید مخدوم طیب مرید مخدوم برہان مرید مخدوم چنن مرید شیخ میلونؒ مرید حسام الدین متقی مرید شیخ صدر الدین مرید شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی مرید شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ مرید شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی مرید شیخ وجیہہ الدینؒ مرید محمد بن عمویہ مرید احمد اسود دینوری مرید حضرت جنید بغدادیؒ مرید خواجہ سری سقطیؒ مرید خواجہ معروف کرخیؒ مرید حضرت داؤد طائیؒ مرید حضرت امام علی موسیٰ رضا مرید خواجہ حسن بصریؒ مرید حضرت علی المرتضیٰؓ اسد اللہ الغالب۔

آپ بڑے عالم فاضل اور پرہیزگار بزرگ تھے جس جگہ آپ مدفون ہوئے وہاں ہی درس دیا کرتے تھے۔ مسجد قدیم اب تک موجود ہے جو آپ نے ۱۱۴۲ھ میں بنوائی تھی مگر ریلوے ورکشاپس کے اندر آ جانے کی وجہ سے غیر آباد ہے کیونکہ اندر جانے کا راستہ آہنی جنگلے سے ہر وقت مقفل رہتا ہے مسجد کے ساتھ ہی کسی زمانہ میں یہاں ایک تالاب بھی تھا جس کا طول

چوبیس فٹ اور عرض چودہ فٹ تھا یہ تالاب تین فٹ گہرا تھا۔

حکامِ شاہی آپ کی خدمت سے بہت فیض یاب ہُوا کرتے تھے۔ قرآن خوانی آپ پر ختم تھی اس وجہ سے قاری کا خطاب ملا تھا۔ آپ نے ایک رسالہ حرمت حقہ و تمباکو میں تحریر فرمایا اور آپ کے ایک مرید نے آپ کے ملفوظات اکٹھے کئے۔ محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں آپ کا فتویٰ لاہور میں چلتا تھا۔ بہت ناموری اور شہرت حاصل تھی۔

مدرسہ حامد قادری: آپ نے ایک مدرسہ قرآن پاک ناظرہ و حفظ کے لئے بھی یہاں کھولا ہُوا تھا جس کے اخراجات کے لئے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگھ زمین مزروعہ وقف کی ہوئی تھی اور بعد ان کے جو حاکم بھی آتا رہا۔ یہ معافی بحال رکھتا رہا اور سکھوں کے عہد میں یہ معافی ضبط ہوئی نواب ابوالحسن آصف خاں نے جو مدرسہ بنوایا تھا۔ آپ اس کے ناظمِ اعلیٰ تھے اور لاکھوں روپوں کے سالانہ اخراجات آپ کے ہاتھوں ہوتے تھے۔

مزار پُرانوار ویسٹ مین روڈ نزد مقبرہ نواب علی مردان کے ساتھ ایک چار دیواری میں واقع ہے جہاں آنا جانا بہت مشکل ہے وفات ۱۱۵۵ھ: مصنف حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرورؒ نے تحریر کی ہے جو کہ شہاب الدین شاہ جہان کا عہدِ حکومت تھا۔ ۹۵ سال آپ کی عمر تھی۔ مصنف تحقیقات چشتی نے آپ کی تاریخ وفات ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء بعہد خان بہادر ناظمِ لاہور تحریر کی ہے اس قدیم قبرستان میں بھی بہت سی قبور ہیں۔ بڑ کا ایک قدیم درخت اور نیم کے بہت سے درخت موجود ہیں۔ گھاس پھوس کی بھی کثرت ہے۔ عرس دسمبر کے ماہ میں ہر سال ہوتا ہے۔

مفتی صاحبؒ نے تاریخ وفات اس طرح لکھی ہے۔

حامد آں قاری قرآنِ عظیم
بود محبوب جناب ذوالمنن
افضل و اقطاب والا جاہ گو
سال تولیدش با قول ضمن
بہر تاریخ وصال آنجناب
گفت سرور حافظ و حامد حسن

احاطہ قبرستان میں بے شمار خاندانی قبور کے مفتی علی الدین سررشتہ دار اور خیر الدین والد مفتی علی الدین لاہوری کی قبور ہیں۔

غیاث الدین صدیقی صاحب خلف محمد جلال الدین صدیقی مرحوم سے مزید درج ذیل حالات ملے ہیں۔

## حافظ جان محمد سہروردی

حضرت حامد قاری سہروردی چونکہ لاولد تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور مرید حافظ جان محمد سہروردی مدرس اعلیٰ اور امام مسجد مقرر ہوئے ان کو خانقاہ کی تولیت عہد خان بہادر نواب زکریا خان ناظم لاہور میں ملی۔ آپ محمد شاہ روشن اختر اور عالمگیر ثانی کے زمانہ میں لاہور کے ایک نہایت عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ بقول مصنف تحقیقات چشتی "آپ نواب زکریا خاں کے اتالیق تھے۔ آپ کا شاگرد نواب یحییٰ خاں آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ کا مزار اندرون چار دیواری واقع ہے نزدیک ہی تُن کا درخت ہے۔

## حافظ رحمت اللہ سہروردی۔

آپ حافظ جان محمد سہروردی کے فرزند ارجمند تھے آپ کا درس بھی خانقاہ میں بدستور جاری رہا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے ایام میں مغلپورہ سے اندرون شہر منتقل ہوگئے اور شہر میں درس شروع کر دیا کوچہ حافظ رحمت اللہ نزد چوہٹہ مفتی باقر خرادی محلہ آپ کے نام سے آج تک مشہور و معروف ہے۔ آپ کی قبر اندرون چار دیواری یعنی احاطہ حضرت حامد قاریؒ سے باہر ہے۔ حافظ محمد بخش صحاف آپ کے فرزند تھے۔

## حافظ محمد بخش صحافؒ

آپ کا زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا آپ کا مکتبہ صحافیہ بہت مشہور تھا۔ سکھوں کے عہد میں آپ نے تجارت کتب و صحافی کا ایک عظیم الشان کارخانہ کھولا۔ آپ کو امیر افغانستان کی طرف سے ملک الصحاف کا خطاب ملا تھا۔ آپ کے کارخانہ کی تیار شدہ کتب ایران و خراسان تک برائے فروخت جاتی تھیں۔ قرآن مجید کی لکھائی اور چھپائی کا خاص انتظام تھا۔ وفات ۱۲۶۳ھ ہے۔ مزار اندرون چار دیواری حضرت حامد قاریؒ موجود ہے۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔

ا۔ حافظ بخش۔ ان کا مزار بھی اسی احاطہ میں واقع ہے ان کے صاحبزادے کا نام فیض بخش تھا۔

ب۔ مولوی فضل دین۔ ان کا مزار حضرت گھوڑے شاہ سہروردی کے مزار کے پاس تیزاب احاطہ میں واقع ہے ان کے تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولوی سراج الدین۔

۲۔ غلام محی الدین المعروف مولا بخش۔

۳۔ مولوی فیروز دین صدیقی۔

ج۔ حافظ خیر دین۔ ان کا مزار بھی خاندانی قبرستان (قبرستان اندرون احاطہ حضرت حامد قادریؒ) میں واقع ہے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔

۱۔ چراغ دین۔

۲۔ رمضان۔

۳۔ امیر بخش۔

مولوی فیروز دین صدیقی۔

والد کا اسم گرامی مولوی فضل دین صدیقی تھا۔ وفات ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ آپ کی قبر بھی اپنے والد گرامی مولوی فضل دین کے جوار میں قبرستان حضرت گھوڑے شاہ سہروردی کے قریب میں بنی۔ آپ کے پانچ صاحبزادے ہیں۔

۱۔ حاجی شاہ دین صدیقی۔

۲۔ غلام محی الدین صدیقی۔

۳۔ منور الدین صدیقی۔

۴۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی سابق صدر شعبۂ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی و موجودہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔

۵۔ محمد جمال الدین صدیقی مرحوم۔

محمد جمال الدین صدیقی۔ آپ مولوی فیروز الدین صدیقی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے

سن ولادت ۱۸۸۹ء ہے۔ والد گرامی کی وفات کے بعد آپ درگاہ حضرت حامد قادری سہروردی درگاہ حضرت شاہ عبدالمنان حضوری بر قبر پوشش (ہال روڈ) درگاہ حضرت کریم شاہ سہروردی اور درگاہ عبداللہ گیلانیؒ المعروف خانقاہ پیر روڈاں والی کے متولی تھے۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ نے حضرت حامد قادری کے کچے احاطہ کو گرہ خاص سے پختہ کرایا۔ نیا کنواں لگوایا۔ مزید برآں کوشش کرکے چاردیواری حضرت حامد قادریؒ کے چاروں کونوں پہ بجلی کے چار پول لگوائے۔ حضرت کریم شاہ سہروردی کے مزار اور تعویذ کی مرمت کروائی۔ یہ مزار میاں معراج دین سابق ممبر اسمبلی کی کوٹھی اور دیٹ مین روڈ کے مقام اتصال پہ ہے حضرت عبدالمنانؒ نقشبندی کے مزار کا راستہ سڑک کی طرف کروایا اور فرش لگوایا۔ چاہ پانی داتیاں والا کو بند کروا کر ہینڈ پمپ لگوایا۔ پیر روڈاں والا (نواب علی مردان خاں کا مرشد) کا مزار جس پر کسی زمانہ میں بہت عظیم الشان گنبد تھا۔ اور قبر سطح زمین کے برابر تھی۔ آپ نے ہی درست کروایا نیز آپ حضرت حامد قادری کے عرس سے فارغ ہو کر شام کو بیل بھنڈارہ تقسیم کرانے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ بہت اچھے مصور تھے، آپ کی قبر بھی اندرون احاطہ حضرت حامد قادریؒ واقع ہے۔

وفات ۱۴ جولائی ۱۹۶۵ء میں ہوئی۔ آپ کے بچوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ضیاء الدین احمد صدیقی۔
۲۔ سعید الدین صدیقی۔
۳۔ غیاث الدین صدیقی۔

مولوی نور احمد چشتی ولد مولوی احمد بخش یکدل مصنف تحقیقات چشتی اپنی کتاب مطبوعہ [illegible] کے صفحہ ۳۹۰ پر احوال مزار کریم شاہ مرحوم۔ کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں۔

"گنبد ابوالحسن (اب اس کا وجود باقی نہیں ہے) کے شرقی رویہ مائل بہ شمال قطعہ خانقاہ حضرت کریم شاہ صاحب کا ہے۔ یہ چبوترہ خشتی تا بہ سینہ بلند مربع چار گز ہے۔ اس کے اوپر قبر پختہ

صفحہ 920، 406 - 410

کتاب

# تحقیقات چشتی

از

## مولوی نور احمد چشتی

سن اشاعت 1864ء / 1281ھ

الفیصل، غزنی سٹریٹ، اردو بازار

لاہور

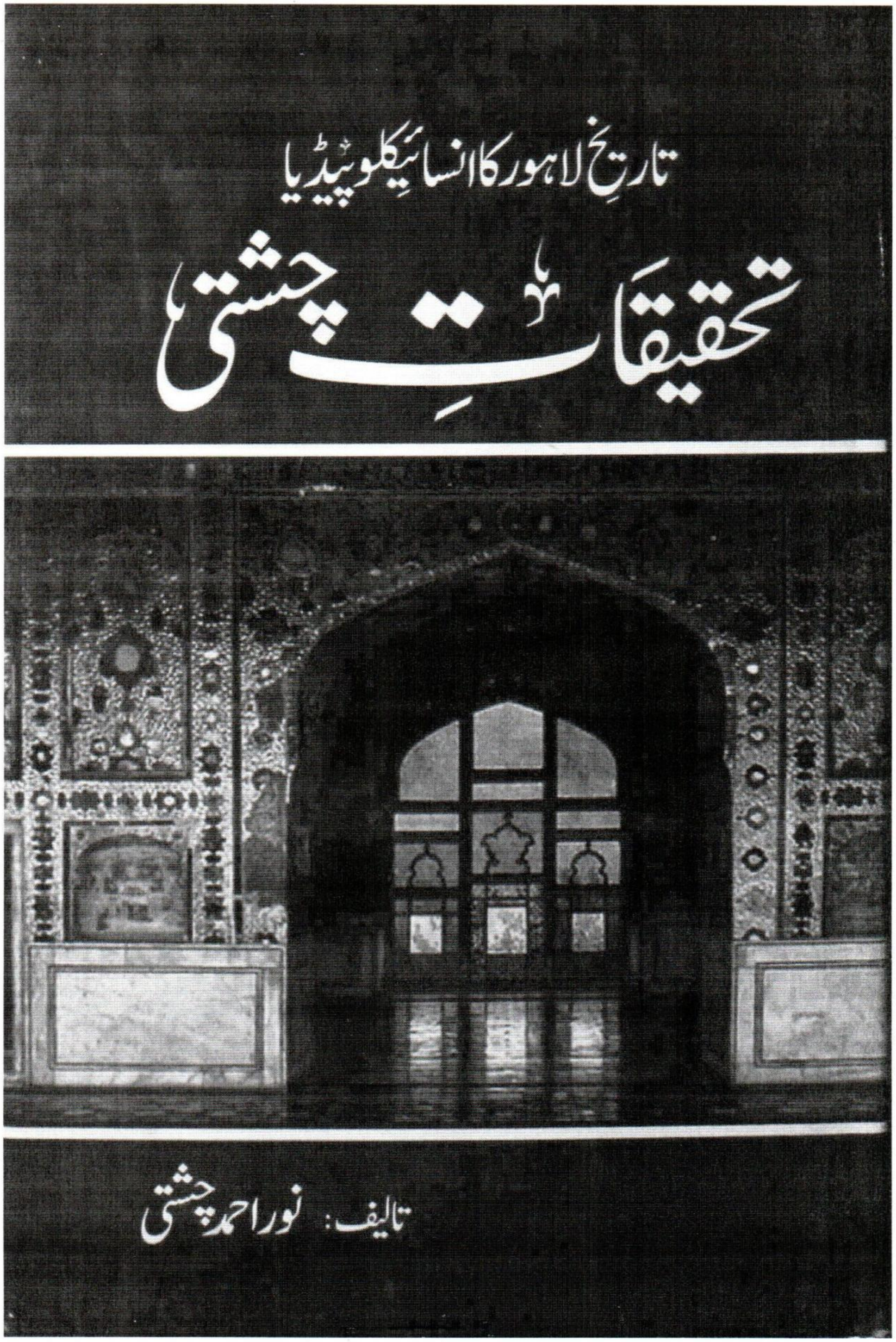
تاریخِ لاہور کا انسائیکلوپیڈیا
تحقیقاتِ چشتی
تالیف: نور احمد چشتی

# قبور خاندان میاں رحمتہ اللہ

(ص ۳۵۷) جب حافظ رحمت اللہ فوت ہوئے تو میاں محمد بخش صاحب (صحاف) نے قبر ان کی وہاں کی۔ بعد اس کے بھائی میاں محمد بخش صاحب کا مسمی احمد بخش مجلدی بھی وہاں دفنایا گیا۔ بعد ازاں قبر میاں محمد بخش صاحب اور حافظ بخش وغیرہ لواحقین ان کے کی بھی وہیں ہوئی۔ اور ماسوا اس کے مفتی علی الدین صاحب داماد میاں محمد بخش صاحب بھی وہیں مدفون ہوئے۔

تفصیل قبور خاندان میاں محمد بخش صاحب صحاف

موجودہ خانقاہ ہذا جو چبوترہ خام پر موجود ہیں

حافظ رحمت اللہ والد محمد بخش۔ احمد بخش پسر رحمت اللہ۔ میاں محمد بخش صحاف جن کی تاریخ وفات سن بارہ سو تریسٹھ ہے۔ حافظ بخش پسر محمد بخش۔ زوجہ محمد بخش صحاف۔ زوجہ حافظ بخش۔ والدہ فیض بخش۔ اللہ بخش ولد عنایت اللہ بن رحمت اللہ۔ ستار شاہ بن عنایت اللہ۔ زوجہ عنایت اللہ برادر میاں محمد بخش۔ دختر عنایت اللہ۔ دختر فضل الدین بن محمد بخش صحاف۔ پیر بخش ہمشیرہ زادہ محمد بخش۔ امام الدین پسر ستار بن عنایت اللہ۔ مولی پسر فضل الدین۔ دختر ستار۔ مفتی علی الدین سررشتہ دار۔ ہمشیرہ زادہ مفتی علی الدین دولتی ملازمہ علی الدین۔ دختر چراغ دین بن خیر دین بن محمد بخش صحاف۔ ہمشیرہ مفتی علی الدین۔ فقط

## (ص ۹۰) فصل در ذکر مقبرہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب قادری

یہ مقبرہ متصل موضع مزنگ، حد غربی و شمالی میں واقع ہے۔ مقبرہ چھوٹا سا سفید سردار خان بلوچ نمبردار موضع مزنگ نے بنوایا ہے اور بطرف جنوب مقبرہ قبرستان بھی ہے۔ (ص ۹۱) پہلے یہ بطور چار دیواری قبر تھی۔ اب سردار خان نے روضہ بنوایا۔

## مسجد

(ص ۹۰) اور مقبرہ کے شمال و غرب کی طرف سردار خان نے ایک مسجد بہت خوبصورت چونہ گچ بنوائی ہے۔ ابھی سفیدی و مرمت کاملہ اس کی نہیں ہوئی تھی ☆ کہ سال سن ۱۲۷۹ ہجری میں سردار خان فوت ہو گیا۔

مسجد کے جنوب کی طرف ایک دالان سہ درہ ہے اور درجہ شرقی میں قبر سردار خان کی پختہ تیار ہوئی ہے۔ وہ دالان بطور بارہ دری جس کے باہر اندر بارہ دروازے ہیں اور چھ

(ص ۳۵۷) بعد حضرت حامد قاری صاحب مرحوم کے مولوی جان محمد صاحب خادم ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ بعدہ ان کے صاحبزادے حافظ رحمت اللہ جو تدریس بھی وہاں کرتے رہے بعدازاں انکے صاحبزادے میاں محمد بخش صحاف لاہوری (اور یہ میاں محمد بخش صاحب صحاف حقیقی نانا یعنی جد فاسد مجھ کمترین مصنف کے تھے) بعد وفات ان کی کے میاں حافظ بخش اور خیرالدین اور فضل الدین تین فرزند میاں محمد بخش کے باقی رہے۔ اب حافظ بخش فوت ہوا۔ ان کا ایک بیٹا فیض بخش باقی ہے اور خیر دین کے تین بیٹے ایک چراغ الدین دوسرا رمضان تیسرا امیر بخش۔ اور فضل الدین کے یہاں دو بیٹے ایک سراج الدین دوسرا غلام محی الدین المشہور مولا بخش اب تک اپنے آپ کو یہ لوگ قابض مکان ہذا تصور کرتے ہیں۔

## جاگیرو معافیاں

(ص ۳۵۸) چونکہ مدرسہ حضرت حامد قاری صاحب کا یہاں تھا۔ اس نظر سے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگہ زمین مزروعہ واسطے مصارف کے عطا کی تھی۔ فرمان اس کا پاس فقیر کے ماموں صاحبان کے موجود۔ فقط

(ص ۳۵۹) بعد از وفات حضرت کے جو حاکم آتا رہا سو وہ معافی بحال رکھتا رہا۔ چنانچہ ملبا" بعد صلب میاں محمد بخش صحاف تک زر جاگیر وصول ہوتی رہی۔ (ص ۳۵۹) بعد مہاراجہ صاحب جب بابو باج سنگھ المشہور بابو رائے یہاں کا جاگیردار ہوا تو وہ بھی بدستور غلہ میاں محمد بخش صحاف کو دیتا رہا۔ بعدازاں عملداری سرکار انگریزی ۱۹۰۶ بکری میں بابو گیاں سنگھ نے ادائے زر معافی سے انکار کر کے کہا کہ پندرہ بیگہ زمین لایق زراعت مع چاہ مسدودہ لے کر آباد کرا لو' چنانچہ یہ حال داخل کاغذات بندوبست بھی ہوگیا۔ پھر حافظ بخش و خیردین و فضل الدین ہرسہ برادران نے واسطے آراستگی ڈل کے تجوزی چرخ چوب کی کر کے از سرنو ڈال کو کھدوایا اور ہر طرح سے بصرف زر خود زمینو چاہ کو آراستہ کیا۔ بعد چندے بابو گیان سنگھ نے ان سے بے خبراس چاہ تو تردد کو فروخت کرلیا۔ یہ سجادہ نشینان ناواقف قانون سرکار تھے دم بخود ہوکر چپ ہورہے۔ مگر اب کہتے ہیں کہ بوقت بندوبست جدید دعویٰ کریں گے۔ فقط۔

صفحہ190-191

کتاب

# بزرگان لاہور

از

غلام دستگیر نامی

مکتبہ المدینہ، سبزی منڈی،

کراچی

# شیخ حامد قادری سہروردی قدس سرّہٗ

شیخ حامد کے والد بزرگوار کا نام حسن ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور خطۂ پنجاب میں زہد و ورع و تقویٰ اور قرأۃ قرآن اور ادائے حق تلاوت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ شہر لاہور میں آپ درس دیتے تھے اور طریقۂ عالیہ سہروردیہ میں مولوی نور لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے اور مولوی ممدوح کی ارادت مولوی عبدالکریم سے تھی۔ ان کو مخدوم طیب سے۔ ان کی شیخ برہان الدین سے۔ ان کی مخدوم حسن سے۔ ان کی شیخ ملتان سے اور ان کی شیخ حسام الدین متقی ملتانی سے (ارادت) تھی۔ حضرت حامد قادری علیہ الرحمۃ اللہ الباری اپنے وقت کے یگانہ مرشد اور استاد زمانہ تھے اور علماء وقت ان کی خدمت کرنا فخر جانتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئی تھیں۔

**تاریخ ولادت و وفات:** آپ کی ولادت باسعادت کا عہد عالمگیر میں ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۰ء ہے اور وفات ۱۱۶۶ھ ۷ جمادی الآخریٰ (مطابق ۲۱ اپریل ۱۷۵۳ء۔ تاریخ) کو واقع ہوئی۔ عمر شریف ۹۵ برس ہوئی۔

## تاریخ از مفتی صاحب مرحوم

حامد آں قاری قرآنِ عظیم — بود محبوب جناب ذوالمنن
"افضل اقطاب والا جاہ" کو — سال تولیدش باقوالِ حسن
۱۰۷۱ھ
بہر تاریخ وصال آں جناب — گفت سرور "حافظ و حامد حسن"
۱۱۶۶ھ
سال انتقال شیخ حامد — ہو آتی "خیر داور خلق"
۱۷۵۳ء

حضرت حامد قاری کا مزار اب مغل پورہ کے علاقہ میں دیت مل روڈ پر ہے۔
تاریخ لاہور (انگریزی) میں مزار بدھو کے آوے سے دو میل پرے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ
آپ کا مدرسہ اپنی تعمیر کردہ مسجد میں قائم تھا جو تاحال موجود ہے اس کے ساتھ کنواں بھی ہے
اور درویشوں کے لئے حجرے بھی ہیں۔ مسجد کے محرابوں پر یہ تاریخ لکھی ہے۔

خداوند را شکر دارم بیاں      چہ خوش مسجد از دست مسکین نہاد
خرد گفت از سن تعمیر آں      "ز آفات دوراں زوالش مباد"

۱۱۳۱ (مطابق ۱۷۱۸ء)

# الكتابات الأثرية الباقية على عمائر مدينة لاهور فى العصر المغولى الهندى ( ٩٣٢ -١١٨٢هـ/١٥٢٦-١٧٦٨ م) دراسة مسحية آثارية

د. محمد على عبد الحفيظ*

حظيت الكتابات الأثرية فى شبه القارة الهندية بعديد من الدراسات منها ما تناول هذه الكتابات بصفة عامة ومنها ما تناول الكتابات فى مدينة بعينها[١] .
لكن يلاحظ أن مدينة مهمة مثل لاهور[٢] التى كانت العاصمة الثانية للبلاد فى عصر دولة المغول بالهند ، والتى تحتفظ بعشرات المبانى من ذلك العصر لم تحظ بدراسة مستقلة متخصصة تتناول الكتابات الأثرية المسجلة على مبانيها بالدراسة والتحليل ، وأقدم ما كتب عن هذا الموضوع مقال كتبه هنرى كوب Henry Cope سنة ١٨٥٨م أى منذ أكثر من قرن ونصف بعنوان " الكتابات العامة فى لاهور " Public

---

* أستاذ الآثار والحضارة الإسلامية المشارك بجامعتى الأزهر بالقاهرة ، والجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد

[١] من هذه الدراسات على سبيل المثال :

- مجموعة من البحوث المتعلقة بالكتابات فى شبه القارة الهندية نشرت خلال الفترة من ١٩٠٧- ١٩٧٥م فى مجلة " Epigraphia Indo-Moslemica (EIM) ، لكنى لم أعثر فيها على مقال واحد يخص لاهور .

-Battacharyya , A.K, Study in muslim calligraphy in relation to Indian inscription , Indo-Iranica , Vol 4 , No 23 , 1950

Yousuf ,K, Muslim calligraphy under the Mughals , Indo-Iranica Vol X No1,1957

- Shamsuddin ,Ahmed , Inscriptions of Bengal ,Vol 4 , Rajshahi,1960

Ghafur , M.A The calligraphers of Thatta , Karachi , 1978

-Begley (W)& Desai(Z.A) , Monumental Islamic calligraphy from India , Islamic Foundation Villa Park , Illinois , 1985 .

[٢] مدينة لاهور ثانى أكبر المدن الباكستانية بعد كراتشى ، وهى الآن عاصمة إقليم البنجاب ، وتعد العاصمة الثقافية لباكستان ، دخلت لاهور فى الإسلام بعد أن فتحها السلطان محمود الغزنوى فى سنة٤١٢هـ / ١٠٢١م ، وظل الغزنويون يحكمونها لمدة مائة خمسة وستون سنة ، ثم تعاقب على حكمها الغوريون ( ٥٨٢-٦٨٩هـ / ١١٨٦- ١٢٨٩م ) ثم الخلجيون ( ٦٨٩- ٧٢١هـ / ١٢٨٩-١٣٢١م ) ، ثم التغلقيون ( ٧٢١-٨١٥هـ / ١٣٢١- ١٤١٢م ) ثم السعديون ( ٨١٧- ٨٥٢هـ / ١٤١٤-١٤٤٨م ) ، ثم اللوديون ( ٨٥٢- ٩٣٢هـ / ١٤٤٨- ١٥٢٦م ) . ويعتبر العصر المغولى هو العصر الذهبى لمدينة لاهور ، حيث لقيت اهتماما غير مسبوق من قبل أباطرة وأمراء وأميرات الأسرة المغولية ، وأعتبرت لاهور العاصمة الثانية للدولة المغولية ، وكانوا يطلقون عليها " دار السلطنة " ، وبنوا بها المساجد والمدارس والخانقاوات والأضرحة والحدائق والقصور والحمامات .
Khan , Muhammad Wali Ullah , Lahore , and its important monuments , Karachi ,1964 ,pp 4-6.

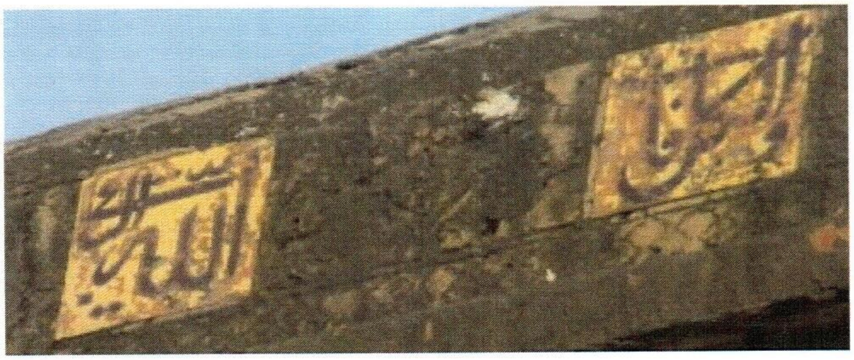

لوحة ٦٨ ضريح شرف النساء كتابة على الرفرف المحيط بواجهات الضريح

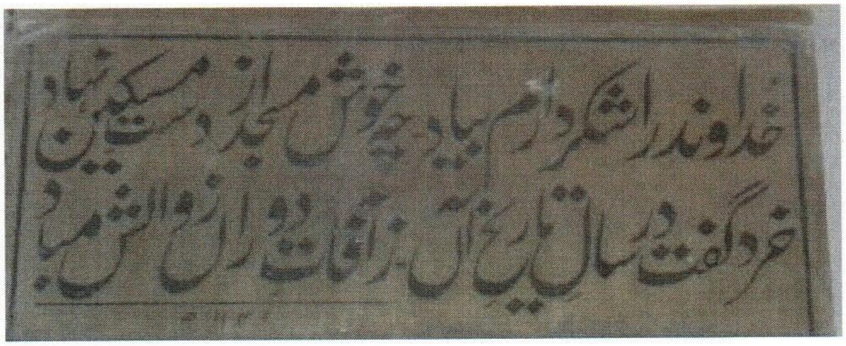

لوحة ٦٩ مسجد حامد قارئ كتابة فارسية على المدخل الأوسط للمسجد

لوحة ٧٠ مسجد سونارى كتابة أعلى الباب الشرقى للمسجد

لوحة ٧١ مسجد سونارى كتابات على المحراب الأوسط فى رواق الصلاة

لوحة ٧٢ قلعة لاهور ، النص التأسيسى لمبنى مكاتيب خانه

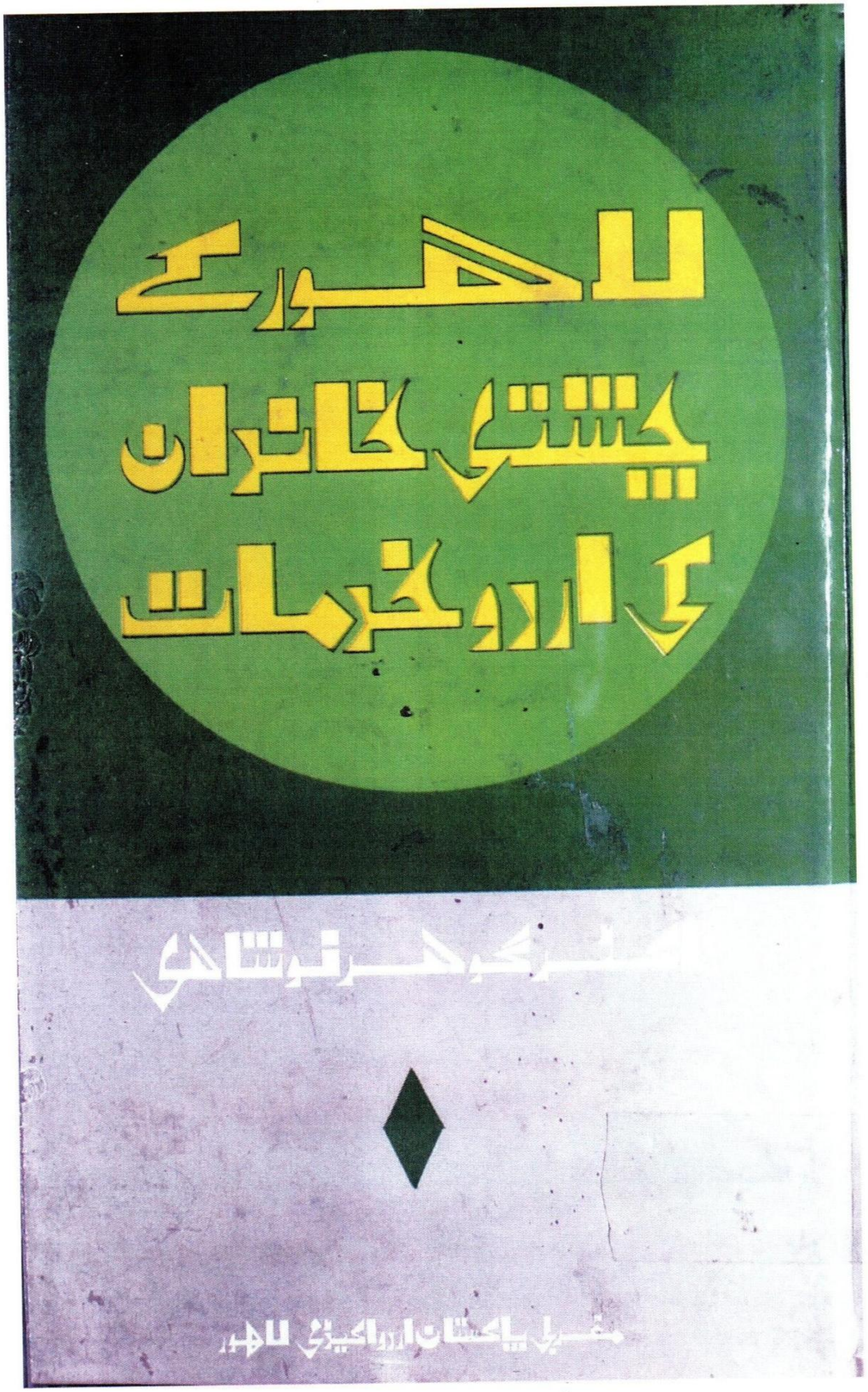
لاہور کے
چشتی خاندان
کی اردو خدمات
گوہر نوشاہی
مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور

کے زمرے میں بھی آئے گا جہاں ان پر مناسب روشنی ڈالی جائے گی۔ مولوی نور احمد چشتی کا تفصیلی تعارف بھی آیندہ ابواب میں الگ عنوانات کے تحت آئے گا۔ اس جگہ بے محل نہ ہوگا اگر مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کے حالاتِ زندگی پر کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

مفتی صاحب کی تصنیف "عبرت نامہ" کو ۱۹۶۱ء میں پنجابی ادبی اکیڈیمی لاہور نے ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام سے دو حصوں میں شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو مقدمے کی تدوین کے لیے مفتی علی الدین کے حالاتِ زندگی تفصیلاً میسّر نہ آ سکے لہٰذا انھوں نے کتاب کے اندر مندرج چند اشارات پر ہی اکتفا کیا اور مصنف پر ایک معمولی سے نوٹ کے علاوہ قارئین کو ان کے بارے میں خاطر خواہ معلومات بہم نہ پہنچا سکے۔ میں نے مفتی علی الدین کے حالاتِ زندگی چشتی خاندان کی بیاضوں اور یادداشتوں کی مدد سے مرتّب کیے ہیں، جنہیں خلاصتہً یہاں درج کرتا ہوں۔ یہ حالات پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ "عبرت نامہ" کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر ان معلومات کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے!

## مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین

مفتی علی الدین مصنف عبرت نامہ کے والد کا نام مفتی خیر الدین[۵]، دادا کا نام غلام محمد ساداکار اور پردادا کا نام مفتی محمد یوسف تھا۔ ان کی والدہ کا نام صاحب جان بتایا گیا ہے[۶]۔ مفتی علی الدین کے بزرگ عہدِ درّانی میں علم حاصل کر کے قضاوت کے عہدے تک پہنچے تھے۔ مفتی صاحب دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی ان سے بڑے تھے اور ان کا نام مفتی ابو بکر تھا۔ مفتی ابو بکر کی اولاد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ وفات ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں ہوئی۔ مولوی نور احمد چشتی نے مندرجہ ذیل تاریخِ وفات بطور تعمیہ کہی ہے

سر و شم سال از روئے جمل زود
دریغا گفت و ہے ہے گفت و وائے[۷]

مفتی علی الدین کی شادی مولوی محمد بخش صحاف کی بیٹی آمنہ سے ہوئی۔ آمنہ کی دوسری بہن خیر النساء

مولوی احمد بخش یکدل چشتی کی اہلیہ تھی۔اس اعتبار سے مفتی علی الدین، مولوی یکدل کے ہم زلف اور مولوی نور احمد چشتی کے حقیقی خالو تھے۔ مفتی علی الدین کی وفات سہ شنبہ ۹۔ ذوالحجہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۵ ۲۔ ماہ جیٹھ سمت ۱۹۱۸ مطابق ۱۸ جون ۱۸۶۱ء کو ہوئی۔ مولوی احمد بخش یکدل چشتی نے مندرجہ ذیل تاریخِ وفات کہی:

تاریخِ رحلت مفتی علی الدین

علی الدینِ خیر الدین کہ مردی بے تکلّف بود
تکلف برطرف تکیہ کلای بُد بہر حالش
مخضبِ عمرش از پنجاہ کمتر بود واویلا
کہ شد باز قضا از پنجہ در فکرِ پر و بالشس
ادب، لطف شرافت، ظاہرا تسلیم و دینداری
قلم شد یکدلا حیران از تفصیلِ اجمالشس
بہ اردی بہشت و بست و ششش، روز یکشنبہ
ہزار و یک صد و ہژدہ کہ ابیض شد بیہ خالشس
بعمر پنج روزہ ہفت روزش بود تکلیفی !
کہ فال اختر او سوختہ دیدم چون از فالشس
مرورش بے تکلف در دلِ من نکتہ ای انداخت
کہ اکثر نکتہ ای بود اندرون قبل و ہم قالشس
نہم از ماہ حج روز سہ شنبہ چون ز دنیا رفت
علی الدین مفتی بے تکلف گفت از سالشس

۱۲۷۷ھ

یکدل نے اس قطعے میں جو بیش بہا اطلاعات فراہم کی ہیں ان کی رو سے مفتی علی الدین کی عمر،

وفات کے وقت یعنی ۱۸۶۰ء میں پچاس سال سے کم تھی۔ اس اعتبار سے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب ۱۸۱۰ء یا ۱۸۱۱ء کے قریب متولد ہوئے تھے۔ یکدل کے بقول مفتی صاحب ایک بے تکلف انسان تھے اور "تکلف برطرف" ان کا تکیہ کلام تھا۔ وہ شرافت، دینداری اور تسلیم و رضا کا نمونہ تھے۔ مفتی صاحب صرف سات دن علیل رہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

مفتی علی الدین کے بیٹے مفتی جلال الدین ۱۸۵۹ء میں انگریزی حکومت کی طرف سے لاہور کے قاضی تھے۔ مفتی جلال الدین کی شادی قاضی مسیح الدین کی بیٹی سے ہوئی جو عہدِ رنجیت سنگھ میں قضاوت کے عہدے پر ممتاز تھے۔ مفتی جلال الدین کی وفات ۲۵ مئی ۱۸۹۷ء کو منگل کے دن ہوئی۔[۱۰]

مفتی جلال الدین کے بیٹے مفتی حفیظ الاسلام تھے جن کی شادی مولوی فضل الدین صحاف کی بیٹی بیگم عرف بیگاں سے ہوئی تھی۔ یہ خاتون مولوی فیروز الدین صدیقی کی حقیقی بہن تھی جو پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علامہ علاء الدین صدیقی مرحوم کے والد تھے۔ مفتی حفیظ الاسلام نے ۲۴ ستمبر ۱۸۹۷ء کی رات کو انتقال کیا۔[۱۱]

مفتی علی الدین کے والد مفتی خیر الدین بھی علم تاریخ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ عبرت نامہ کا ابتدائی مسودہ انہوں نے ہی تیار کیا تھا۔ مفتی علی الدین نے اس میں مزید تحقیقی مواد شامل کر کے اسے دنیائے تاریخ میں بیش قیمت بنا دیا۔[۱۲]

## ب۔ معاصر اخبار اور مطابع

انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی پنجاب میں نشر و اشاعت اور ابلاغ کے ذرائع کا ظہور ہونے لگا لاہور میں پہلا مطبع منشی محمد عظیم نے قائم کیا۔ جنہوں نے ۱۸۴۸ء میں لدھیانہ کے مشنریوں سے یہ مطبع خرید کر لاہور میں منتقل کیا اور اس کا نام لاہور کرانیکل رکھا۔ لاہور کرانیکل کی شائع کردہ بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ مولوی نور احمد چشتی کی یادگار چشتی بھی پہلی بار ۱۸۵۸ء میں اس مطبع سے شائع ہوئی۔ اس زمانے تک منشی محمد عظیم کا ایک اور مطبع "مطبع پنجابی" کے نام سے لاہور میں قائم ہو چکا تھا چنانچہ ۱۸۵۸ء کی

دوسری بیوی عظمت النساء کے بطن سے :

۹۔ مولوی محمد علی : شوال ۱۲۵۲ھ / جنوری ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۷۔ مارچ ۱۸۹۱ء / ۶۔ شعبان ۱۳۰۸ھ منگل کے دن انتقال کیا۔ سوانحی و ادبی کوائف کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

۱۰۔ زیب النساء : عرف بی بی ۔ ۱۹۔ شعبان ۱۲۶۶ھ / ۳۰ جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی مولوی سراج الدین صحاف بن مولوی فضل الدین بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی۔ ان کے بطن سے مولوی فخر الدین صدیقی پیدا ہوئے۔ زیب النساء تقریباً ۵۰ سال عمر پاکر ۲۳۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کو فوت ہوئیں۔[۵۲]

۱۱۔ اقبال النساء : ان کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات مہیا نہیں کہ ۱۷۔ ستمبر ۱۸۶۸ء کو ان کی شادی مولوی امیر بخش صحاف بن خیر الدین بن مولوی محمد بخش صحاف سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام نجم النساء تھا اور دوسری کا نام غلام فاطمہ تھا جو مولوی عبد الرحمٰن چشتی بن مولوی حامد علی چشتی بن مولوی محمد علی چشتی بن مولوی احمد بخش یکدل چشتی کی اہلیہ تھیں۔[۵۳]

تیسری بیوی لعل بی بی کے بطن سے :

۱۲۔ دختر : نام معلوم نہ ہوسکا۔ مولوی یکدل نے اپنی اس بیٹی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے : "بعد از انفصال شیر دایہ رخصت شد"۔

چوتھی بیوی بختاور بی بی کے بطن سے :

۱۳۔ محمود علی : بچپن میں فوت ہو گئے۔ ان کی ولادت پر مولوی یکدل کے شاگرد رشید دیوان امر ناتھ اکبری نے مندرجہ ذیل قطعۂ تہنیت کہا تھا :

اپنے عہد کی بہترین نثر ہے۔ اس پر تفصیلی بحث خاندانِ چشتی کی اہم تصانیف کے ذیل میں آئے گی۔

۱۶۔ سی حرفی یکدل (بزبانِ پنجابی)

مولوی یکدل کی سی حرفی کے ابیات بیاضوں میں موجود ہے۔ مدوّن یا مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں۔

## ۵۔ مولوی نور احمد چشتی متخلص بہ چشتی

مولوی نور احمد چشتی، مولوی احمد بخش یکدل کی پہلی بیوی مسماۃ فضل النساء کے بطن سے تھے۔ جو مولوی محمد بخش صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ مولوی محمد بخش صاحب کی دوسری بیٹی امینہ مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کی اہلیہ تھیں۔ اس اعتبار سے مفتی علی الدین مصنف "عبرت نامہ" مولوی نور احمد چشتی کے خالو تھے۔

مولوی نور احمد چشتی ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۰۔ جون ۱۸۲۹ء کو بدھ کے روز متولد ہوئے۔[۲۹] ماں کی مانی ہوئی منت کے مطابق جھنڈ (یعنی موئے شکمی) اتارے نہیں گئے جس کے سبب بچپن میں جھنڈ کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ چھ سال کے تھے کہ والدہ انتقال کر گئیں اور مولوی نور احمد براہِ راست والد کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔ اسی سال انہیں میاں عثمان کے مکتب میں داخل کروا دیا گیا۔ میاں عثمان، مولوی یکدل کے دوست اور لاہور کے معزز اساتذہ میں سے تھے۔ مولوی نور احمد چشتی چودہ سال کی عمر میں یعنی ۱۸۴۳ء کے قریب تعلیم سے فارغ ہوئے اور اپنے والد کے باثر شاگرد دیوان امرناتھ اکبری خلف راجہ دینا ناتھ سوز کی سفارش سے تحصیل فتح خان نون میں وکالت کے عہدے پر متعین ہو گئے یہاں آپ کو پانچ روپے یومیہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کشمیر کے گورنر دیوان کرپا رام اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خزانۂ عامرہ کے افسر بیلی رام کے بیٹوں کو اپنی خاندانی روایات کے مطابق درس دیتے رہے۔[۳۰]

مولوی نور احمد چشتی ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ دہلی گئے۔ مولوی نور احمد نے "تحقیقاتِ چشتی" میں لکھا ہے کہ وہ باپ بیٹا، راجہ دینا ناتھ کے بھائی کدار ناتھ کی شادی میں دہلی گئے تھے۔[۲۱] ان ایام میں مولوی نور احمد کے والد مولوی یکدل کی بہادر شاہ ظفر بادشاہ کے دربار میں باریابی ہوئی۔ بادشاہ نے یکدل کے علم و فضل کی قدر دانی کرتے ہوئے انھیں خطاب اور تیرہ پارچے کا خلعت دیا۔ مولوی نور احمد کو بھی سات پارچے کا خلعت ملا۔ مولوی نور احمد چشتی نے خیالاتِ دانش میں لکھا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں باریابی کے وقت ان کی عمر دس بارہ سال کی تھی۔ ۱۲۵۸ھ کے اعتبار سے یہاں دس بارہ سال نہیں، درست چودہ سال ہونے چاہییں۔ مولوی نور احمد کو تو صرف چار سال کا لیکن مولوی یکدل کو خود ایک جگہ پورے آٹھ سال کا مغالطہ ہوا ہے:

"در مکتوبات خودم بتکرار بقلم آمد کہ در ۱۲۵۰ھ بشاہجہان آباد بیوستم و هشت ماه در آنجا ماندم"۔[۲۲]

حالانکہ خطاب فخر الشعراء کے ساتھ عطا کی گئی مہر پر[۲۳] ۱۲۵۸ھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک خط بنام بہادر شاہ ظفر پر بھی یہی تاریخ ہے جو غالباً واپس آکر لکھا گیا۔ مولوی نور احمد نے خیالاتِ دانش میں "جرأت" کے زیرِ عنوان بہادر شاہ ظفر کے دربار میں اپنی حاضری سے متعلق ایک واقعہ بھی لکھا ہے جو ان کی عمر کے مدِ نظر خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"در ایام خوردی کہ عمرم دہ دوازدہ سالہ بود، با برکات جناب بابادام اقبالہم کہ آنحضرت بتقریب شادی برادرزادہ[۲۴] جناب راجہ دینا ناتھ صاحب بہادر تشریف بردہ بودند تا بدہلی رسیدم۔ بابایم بدربار حضرت فلک قدرت محمد بہادر شاہ بادشاہِ غازی عزتی پیدا کردند۔ روزی بروز عرس حضرت خواجہ قطب صاحب قدس سرہٗ بمرقد حضرت موصوف راقم را برای سلام بادشاہ ہمراہ بردند۔ حضرت بہادر شاہ بعد مصافحہ حضرت طیبات بر مسند جلوس فرمودند۔ بندہ بیچیرز بجلدی تمام دست خود بدست ملک رسانیدہ گفت کہ:

ندیدہ گر کسی خلقِ محمدؐ بچشم خویش خلق اللہ دیدم

ہمہ ایں دربار حیراں شدہ پسند یدند و سہ گوشہ بہ پا بام کردند۔ فقط"[۳۵]

۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مولوی نور احمد چشتی اس نئے سیاسی اور معاشرتی نظام کا ایک فعال رکن بن گئے۔ چنانچہ مشرقی علوم کے درس کی آبائی مسند کو چھوڑ کر انگریزی مدرسے کے معلم ہوگئے۔ چنانچہ ۱۸۴۹ء میں ہی ڈاکٹر لوگن کے ایماء پر مولوی صاحب ایک گھنٹہ روزانہ سول اور ملٹری دونوں اطراف کے انگریز افسروں کو اردو پڑھانے لگے۔ اس کام کے لیے انہیں میاں میر چھاؤنی میں جانا پڑتا تھا۔ تنخواہ بہت معقول تھی، ۲۰ روپے فی یوم یعنی ۶۰۰ روپے ماہوار۔ ۱۸۵۳ء میں مولوی صاحب انگریز افسروں کے معلم خاص مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۴ء یعنی ان کی تصنیف تحقیقاتِ چشتی کے سالِ تصنیف تک ان کے یورپین شاگردوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ چکی تھی۔[۳۶]

مولوی صاحب نے اپنی اکثر تصانیف اپنے یورپین دوستوں اور شاگردوں کے ایماء پر ہی لکھی تھیں۔ مولوی نور احمد چشتی کے چند اہم انگریز شاگردوں کی فہرست راقم الحروف نے اپنی کتاب "یادگارِ چشتی" مصنفہ مولوی نور احمد چشتی کے دیباچے میں دی ہے۔[۳۷] اس فہرست میں:

سی ڈبلیو فورمن آر سی ٹمپل

ایڈورڈ تھانٹن ڈبلیو کولڈ سٹریم اور

لارڈ لارنس جیسی اہم شخصیتوں کے نام بھی آتے ہیں۔ اس کے علاوہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سی۔ یو۔ ایچیسن بھی مولوی نور احمد کے شاگردوں کی صف میں شامل تھے۔[۳۸]

۱۸۵۳ء میں مولوی نور احمد چشتی، الیگزنڈر میکلوڈ وغیرہ کو پڑھاتے تھے۔

۱۸۵۴ء میں مولوی صاحب اسی ملازمت کے سلسلے میں امرتسر چلے گئے جہاں وہ لاٹو رجمنٹ کو پڑھاتے تھے۔ دیوانِ چشتی میں قیامِ امرتسر کے ذکر میں اشعار موجود ہیں۔[۳۹] چنانچہ لکھتے ہیں:

چھوڑ لاہور کو آ بیٹھا ہوں امرتسر میں

کیا مزہ تھا جو مرے پاس پیارا ہوتا

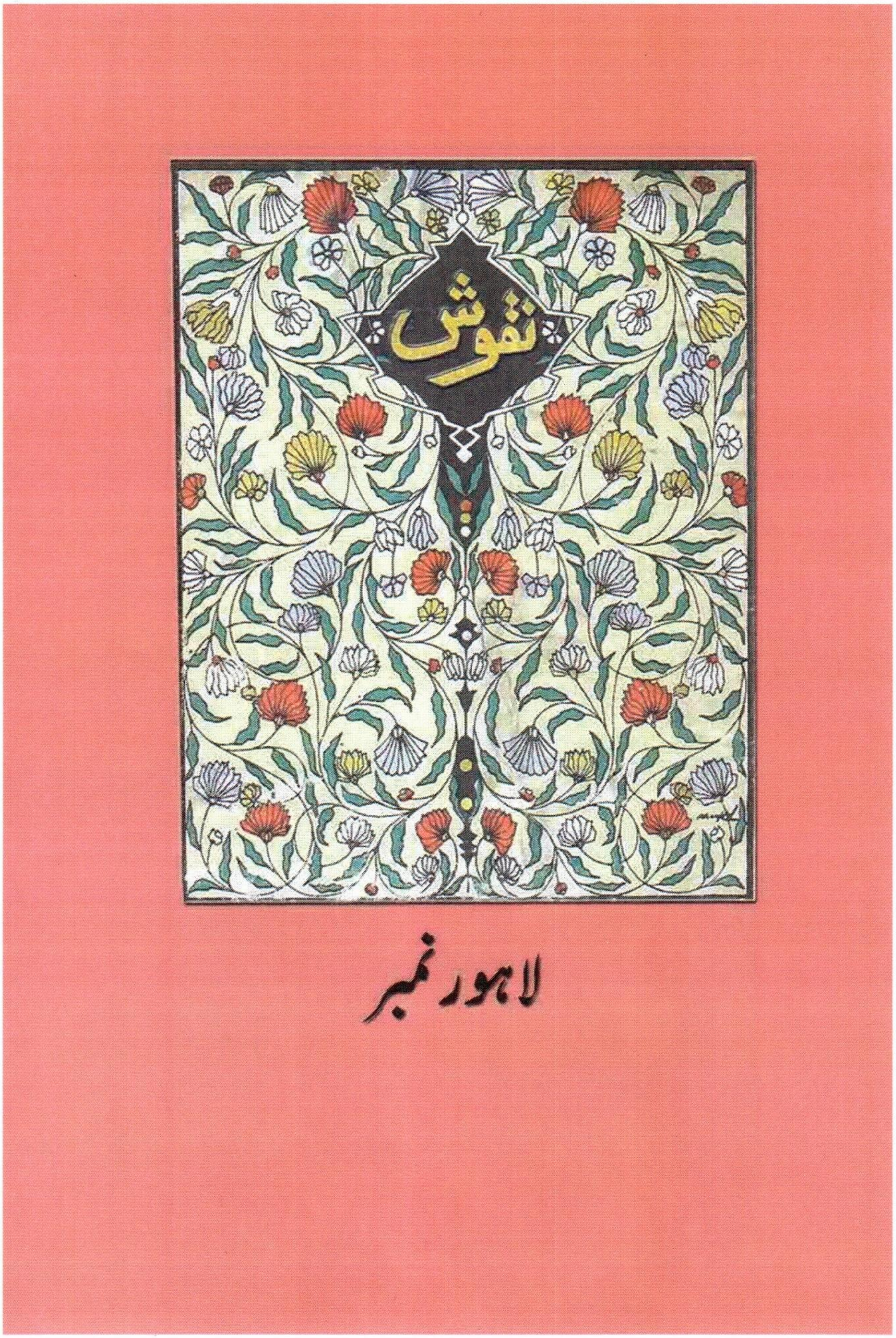
نقوش
لاہور نمبر

www.taameernews.com



## مدرسہ ابوالحسن خاں تربتی

یہ لاہور کا مشہور مدرسہ تھا اور سب سے خوبصورت اور امیر گنذر مغلپورہ میں واقع تھا۔ نواب ابوالحسن خاں دورِ جہانگیری کا ایک امیر کبیر تھا۔ اور وزارت عظمیٰ کے عہدے پر بھی فائز ہوا۔ اس کا لڑکا ظفر خاں احسن کشمیر کا گورنر تھا۔ اس نے کئی حویلیاں، محل، باغ اور دیگر عمارتیں بنوائیں۔ جب وہ ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں فوت ہوا تو اس کی وصیت کے بموجب اسے ایک وسیع باغ میں دفن کیا گیا۔ مقبرہ کی عمارت دو منزلہ تھی اور یہ عمارت گرد و نواح کی تمام عمارتوں سے بلند تھی۔ کاشی کا خوبصورت کام دیکھنے والوں کے دلوں پر عجیب اثر کرتا تھا۔

نواب مرحوم کی بیگم مخدوم جہاں کہلاتی تھی۔ وہ مختلف اسلامی علوم و فنون میں اچھا خاصا درک رکھتی تھی اور ضروریات زمانہ سے آشنا تھی۔ اس نے اپنے خاوند کی یادگار میں یہ مدرسہ جاری کیا اور ایک ہزار حافظ اس کام کے لیے مقرر کیے کہ وہ باری باری اس کے خاوند کے مزار پر قرآن کریم پڑھا کریں۔ یہ نیک خاتون بروز دوشنبہ ۷ شعبان ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ء) کو فوت ہوئی اور اسی باغ میں ایک علیحدہ مقبرہ میں دفن کی گئی۔

مدرسہ کے معلمین میں سب سے نمایاں نام شیخ حامد قادری کا ہے جو ایک مدت تک اس کے صدر مدرس اور مہتمم رہے۔ مولانا حامد قادری نہایت فصیح البیان واعظ اور فاضل اجل تھے۔ دُور دُور سے لوگ آپ کے ہاں استفادہ کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ آپ ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں فوت ہوئے اور مدرسہ کے ایک کونے میں دفن کیے گئے۔ آپ کی تصانیف میں دو کتابیں اچھی خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ ایک تو آپ کے ملفوظات ہیں اور دوسری حرمت حقہ۔

آپ کی وفات کے بعد حافظ رحمت اللہ اس مدرسہ کے پرنسپل مقرر ہوئے مگر آپ کا زمانہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ لاہور ان ایام میں سکھ سرداروں کی جولاں گاہ بنا ہوا تھا۔ ہر جگہ بدامنی تھی۔ قتل و غارت کی گرم بازاری تھی۔ اس لیے اطمینان قلب اور امن جو تعلیم کے لیے ضروری ہیں بالکل مفقود تھے۔ یہ عالیشان مقبرہ اجڑ گیا اور سکھا شاہی میں ایک میگزین کا کام دینے لگا۔ اس وقت یہ ریلوے اسٹور کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہے۔

## مدرسہ شیخ بہلول

یہ مدرسہ بھی شاہجہان کے زمانے میں لاہور کی مشہور درسگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ "مآثر الامرا" کا مصنف کہتا ہے کہ شیخ بہلول ایک جیّد عالم اور زبردست فاضل تھے۔ ان کی شہرت کا آفتاب جہانگیر کے آخری ایام حکومت میں نصف النہار پر تھا۔ اس مدرسے میں قاضی محمد اسلم نے تعلیم پائی جو خواجہ کوہی کی اولاد سے تھے اور مشہور صاحب دل بزرگ ہوئے ہیں۔ جب وہ ہرات سے لاہور پہنچے تو تکمیل تعلیم کے لیے اس مدرسے میں داخل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ کا شمار ہندوستان کے مشاہیر علما میں ہوا۔

قاضی اسلم کے بیٹے میرزاہد نے بھی اسی مدرسے میں تعلیم پائی۔ وہ علم الکلام اور حکمت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انھوں نے "شرح مواقف" اور بہت سی دقیق کتابوں پر مفید حاشیے لکھے ہیں۔

## مدرسہ ملّا فاضل قادری

یہ مدرسہ اس جگہ تھا جہاں آج کل جیل روڈ اور وارث روڈ کا اتصال ہوتا ہے۔ ملا فاضل قادری ایک نیک دل بھنگ تھے۔ حکومت انھیں مدد معاش دیتی تھی جسے وہ مدرسے پر صرف کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگرد شاہ شرف نے اس کام کو جاری رکھا۔ استاد اور شاگرد دونوں کی قبریں ابھی تک مدرسہ کے محل وقوع

پختہ چونہ گچ ابھی تک نظر آرہا ہے۔ بارہ دری میں جس قدر سنگ مرمر تھا وہ عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ میں اکھاڑ لیا گیا۔ نادرہ بیگم کی قبر حسنام موجود ہے۔

منہدم بلکہ غیر موجود تالاب کے شمالاً جنوباً دو نہایت بلند ڈیوڑھیاں تھیں جن میں ہزار ہزار آدمی سما جاتا تھا۔ تالاب کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کے ہشت پہلو چار بنگلے تھے۔ جن کے نشان ۱۸۶۴ء تک موجود تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا۔ اب اس کہنہ بارہ دری کے علاوہ ہر جگہ خاک کے ڈھیر نظر آتے ہیں ؎

واہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے
ڈھیر دیکھے گل رخوں کی خاک کے

## مخدومہ بیگم و نواب ابوالحسن خاں

ہر قدم پر آبلے وحشی کے روتے ہیں لہو
خارزار دشت میں رنگ گلستاں دیکھئے

اس باغ و مقبرہ کی کیفیت اور ابوالحسن خاں کے حالات کی ترتیب کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے مدد لے رہا ہوں:۔

۱۔ ہسٹری آف لاہور۔ خان بہادر سید محمد لطیف جج
۲۔ تحقیقات چشتی۔ مولوی نور احمد چشتی
۳۔ تاریخ لاہور۔ رائے بہادر کنہیا لال ہندی۔
۴۔ کارنامۂ جہانگیری جلد ششم تاریخ مولوی ذکاء اللہ
۵۔ ظفر نامہ شاہجہان جلد ہفتم "
۶۔ بادشاہ نامہ عالمگیری جلد ہشتم "
۷۔ تاریخ کشمیر جلد دوم مصنفہ فوقی
۸۔ متفرق مضامین

تحقیقات چشتی میں صفحہ ۳۷۷ پر "مقبرہ ابوالحسن خاں بن آصف خاں" کے عنوان سے لکھا ہے:۔

"ابوالحسن خاں بن آصف خاں بن اعتمادالدولہ طہرانی کے مقبرہ کا گنبد بہت بڑا تھا۔ بعہد مہاراجہ شیر سنگھ ۷ ساون سمت ۱۸۹۹ ب کو بجلی کے صدمہ سے گر کر خراب ہو گیا۔"

پھر یہ بھی لکھا ہے:۔

"یہ آصف خاں ابوالحسن بن اعتمادالدولہ غیاث بیگ خاں طہرانی تھا اور نورجہاں کا حقیقی بھائی تھا۔ ۱۰۵۱ھ میں بعہد شاہجہاں انتقال کر گیا۔"

نیز لکھا ہے:۔

"شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرہ کے پاس جس آصف خاں یا ابوالحسن کا مزار ہے ——"

آصف خاں ابوالحسن جہانگیری تھا اور یہ آصف خاں ابوالحسن شاہجہانی ہے جس کو شاہجہاں نے یمین الدولہ عموی بجان برابر خان خاناں وغیرہ کے خطابات دیئے تھے۔ آصف خاں خطاب شاہی تھا اور ہر عہد میں آصف خاں ہوتے رہے ہیں۔"

یہ تو واقعی صحیح ہے کہ آصف خاں شاہی خطاب تھا اور ہر عہد میں کسی نہ کسی کو یہ خطاب ملتا رہا ہے۔ چنانچہ بزمانہ جہانگیر ایک آصف خاں جعفر کے نام سے بھی گزرا ہے (دیکھو ظفر نامہ شاہجہان صفحہ ۳۹) لیکن یہ عجیب تحقیقات ہے کہ جو آصف خاں یا آصف جاہ مقبرہ جہانگیر اور مقبرہ نور جہاں کے درمیان دفن ہے اس کو تو جہانگیری بنایا گیا ہے اور جس ابوالحسن آصف خاں کا پتہ تین میل کے فاصلے پر شالامار باغ کی سڑک کے دائیں ہاتھ دیا جاتا ہے۔ اس کو نور جہاں کا بھائی اور شاہجہان کا وزیر بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام تاریخ دان جانتے ہیں کہ شاہجہان نے اپنے جس وزیر اور سپہ سالار کو یمین الدولہ اور عموی بجان برابر کا خطاب دیا تھا۔ وہ اس کے حکم سے جہانگیر کے مقبرہ کے پاس دفن کیا گیا تھا۔ ہسٹری آف لاہور کا مصنف (ص ۱۰۸ میں) لکھتا ہے :۔

"آصف خاں یا آصف جاہ میرزا ابوالحسن برادر نور جہاں کا مقبرہ، مقبرہ جہانگیر کے سامنے مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس کی وفات ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۲ء میں ہوئی۔"

کارنامہ جہانگیری (ص ۲۹۲ پر) لکھا ہے :۔

"۷ شعبان ۱۰۵۱ھ کو یمین الدولہ آصف خاں خان خاناں سپہ سالار نے وفات پائی اس کی وفات سے شاہجہان کا عیش مکدر ہو گیا اس نے حکم دیا کہ اس کو جہانگیر کے روضہ کی غربی جانب مدفون کریں اور اس کی تربت پر ایک گنبد عالی تعمیر ہو یمین الدولہ ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء میں سپہ سالار مقرر ہوا تھا۔"

مصنف تحقیقات چشتی نے جو شجرہ لکھا ہے وہ بھی درست نہیں وہ لکھتے ہیں ابوالحسن خاں بن آصف خاں بن اعتماد الدولہ طہرانی حالانکہ صحیح یہ ہے کہ خواجہ محمد شریف طہرانی کے دو فرزند تھے۔ ایک طاہر، دوسرا میرزا غیاث بیگ جو بعہد اکبر ہندوستان آیا اور جس کی لڑکی مہرالنساء بیگم کو جہانگیر نے ملکۂ ہند بنانے کے بعد اعتماد الدولہ کا خطاب دیا۔ اعتماد الدولہ جب گردش روزگار کی بدولت ہندوستان آیا تو اس وقت اس کے ہمراہ بیوی کے علاوہ دو لڑکیاں اور ایک فرزند ابوالحسن تھا۔ نور جہاں ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی تھی۔ جہانگیر نے مہرالنساء کو نور محل اور نور محل سے جب نور جہاں بنایا تو اس کے باپ کے ساتھ ہی اس کے بھائی کو بھی مناصب و مراتب عطا کئے۔ اور یہی ابوالحسن جب شاہجہان کا خسر بنا تو یمین الدولہ عموی بجان برابر، دانائے رموز سلطنت عظمیٰ، مدبر امور عالم، کار فرمائے ارباب سیف و قلم، زبدہ خوانین عالیشان وغیرہ القاب سے سرفراز کیا گیا۔

رائے کنہیا لال مصنف تاریخ لاہور نے بھی تحقیقات چشتی ہی کا تتبع کیا ہے۔ نام میں تھوڑا سا فرق رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ابوالحسن یوسف خان بن اعتماد الدولہ نور الحسن خان طہرانی۔ یہ ابوالحسن نور جہاں بیگم کا حقیقی ماموں تھا۔ اور امرائے عہد جہانگیری میں ممتاز تھا۔"

ابوالحسن یوسف خاں اور اعتماد الدولہ نور الحسن خان کے نام اب تک کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرے اور نہ نور جہان کے کسی ماموں کا نام کہیں نظر آیا ہے۔ عجیب تماشہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد آپ لکھتے ہیں یہی ابوالحسن یوسف خاں شاہجہان کے زمانے میں

"یمین الدولہ برادر بجان برابر خان خاناں بازوئے راست دولت چغتائی" کہلایا۔ یا بہ الفاظ دیگر یہی ابوالحسن نور جہاں کا بھائی بھی تھا اور ماموں بھی۔ اس کے مقبرے کا جائے وقوع رائے کنہیا لال نے بھی وہی بتایا ہے جو مصنف تحقیقات چشتی نے لکھا ہے اور جس کی تصحیح سطور مسبوق الذکر میں کی جا چکی ہے۔

رسالہ معارف اعظم گڈھ کے جنوری ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں مقبرہ ابوالحسن تربتی کے متعلق جو مضمون چھپا ہے۔ اس میں بھی راقم مضمون نے مورخین لاہور کی ان پریشان اور مختلف البیان تحریروں کے متعلق لکھا ہے :۔

"صاحب تحقیقات چشتی اپنی کتاب میں ابوالحسن کے مقبرہ کا ذکر تو کرتے ہیں مگر کسی جگہ اس کو ابوالحسن آصف خاں برادر نور جہاں سے خلط ملط کیا ہے اور کبھی ان کا فرزند بتایا ہے۔ ایک جگہ صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ ابوالحسن آصف خاں سے علیحدہ کوئی اور ابوالحسن تھا۔۔۔۔۔ رائے کنہیا لال مصنف تاریخ لاہور (اردو) کے بیان کے مطابق صاحب مقبرہ ابوالحسن یوسف خاں طہرانی نور جہاں کے ماموں تھے۔ سید محمد لطیف اس مقبرے کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کو ابوالحسن آصف برادر نور جہاں سے علیحدہ کوئی اور ابوالحسن بتاتے ہیں مگر نہ چشتی اور نہ لطیف یہ بتاتے ہیں کہ آخر یہ کون ابوالحسن تھا؟"

جس مقام پر یہ مقبرہ واقع ہے وہاں کسی زمانے میں لاہور کا مشہور اور دولتمند محلہ مغل پورہ آباد تھا جس کی شوکت گذشتہ اور عظمت رفتہ کی دل دوز داستان اب بھی لاہور کی تاریخوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس محلہ میں عالیشان محلات اور باغات تھے۔ اب اس محلہ کا بہت سا حصہ ریلوے جنرل سٹور اور سڑک شالامار باغ اور بیگم پورہ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ یہیں نواب ابوالحسن خاں کا مقبرہ ہے جو اس وقت ریلوے احاطہ میں آچکا ہے اور شہر سے شالامار باغ کو جاتے ہوئے دائیں طرف آتا ہے۔ اس مقبرہ کی پہلے کیا حالت تھی، اب کیا ہے اور صاحب مقبرہ کون ابوالحسن ہے؟ یہ کیفیت سطور ذیل سے معلوم ہو سکے گی۔

کارنامۂ جہانگیری اور ظفر نامۂ شاہجہان میں جو جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کی تاریخوں کا نچوڑ ہیں، تین ابوالحسن نظر آتے ہیں۔ سب سے پہلے تو وہی ہے جو نور جہاں کا بھائی اور ممتاز محل (ارجمند بانو بیگم) کا باپ ہے اور جس کو شاہجہان نے یمین الدولہ آصف خاں (المشہور آصف جاہ) وغیرہ کے خطابات دیے تھے۔ دوسرا ابوالحسن مشہدی تھا جس کو جہانگیر نے لشکر خاں کا خطاب دیا اور شاہجہان نے اس کو کابل کا گورنر مقرر کیا۔ تیسرا ابوالحسن خاں وہ ہے جس کو جہانگیر نے اپنے باغی بیٹے سلطان خسرو کی محافظت و نگہبانی پر مقرر کیا۔ اسی خواجہ ابوالحسن خاں سے ابوالحسن لشکر خاں نے نظامت کابل کا چارج لیا تھا۔ ۱۰۴۱ھ کے اواخر میں شاہجہان نے اسی خواجہ ابوالحسن خاں کو جو اپنے مناصب و اعزاز اور جاگیرات کی وجہ سے شاہانہ ٹھاٹھ رکھتا تھا، ناظم کشمیر مقرر کیا۔ وہ چونکہ اب ضعیف العمر تھا، اس لیے اس نے اپنے فرزند ظفر خاں کو جس کا اصل نام احسن اللہ اور خطاب ظفر خاں تھا اپنا قائم مقام بنا کر کشمیر روانہ کیا اور ۱۰۴۳ھ میں جب خواجہ ابوالحسن خاں کا انتقال ہو گیا، تو بادشاہ نے ظفر خاں کو کشمیر کا مستقل گورنر کر دیا۔

یمین الدولہ ابوالحسن آصف جاہ کا مقبرہ تو مزار نور جہاں و جہانگیر کے قرب میں دریا کے پار موجود ہے۔۔۔ دوسرے

ابوالحسن خاں مشہدی عرف لشکر خاں کا زیادہ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ تیسرا خواجہ ابوالحسن خاں[1] پہلے خسرو باغی کا لاہور میں نگہبان رہا پھر جہانگیر نے اس کو مختلف ممالک میں باہر بھیجا۔ وہ اور اس کا فرزند ظفر خاں احسن زیادہ عرصہ کابل میں (بہ حیثیت گورنر یا نائب گورنر) اور لاہور ہی میں رہے۔ ظفر خاں کو چند سال تک باپ کی وفات کے بعد نظامت کشمیر کی وجہ سے کشمیر بھی رہنا پڑا۔ اس نے اپنی مثنوی میں بھی لاہور کابل اور کشمیر ہی کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ اس کا باپ ۱۰۴۱ھ میں بوجہ ضعیفی خانہ نشین ہو چکا تھا اور چونکہ دیگر امراء کی طرح اس کے عالیشان مکانات بھی لاہور ہی میں موجود تھے۔ اس لیے اس نے اپنے آخری ایام سہ آرام بسر کرنے کے لیے لاہور ہی میں اقامت پسند کی اور غالباً اس لیے بھی کہ اس کا فرزند ظفر خاں احسن کشمیر کا نائب گورنر تھا اور دہلی اور آگرہ کی نسبت لاہور سے کشمیر بہت نزدیک تھا اور نیز اکثر امراء لاہور میں مستقل طور پر اقامت رکھتے تھے[2]

لاہور کی تاریخوں کے سوا اس کا خطاب آصف خاں اور کہیں نظر نہیں آیا۔ لاہور ہی میں ابوالحسن خاں نے ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوا جیسا کہ صاحب مآثر الامراء جلد دوم (ص ۷۶۵ پر) اس کے فرزند ظفر خاں احسن گورنر کشمیر کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"در لاہور ربساط ہستی در نوردد و در مقبرہ پدر مدفون گشت"

ان الفاظ سے نہ صرف نواب ابوالحسن خاں کا مدفن ہی لاہور میں پایا جاتا ہے بلکہ اس کے فرزند نواب ظفر خاں احسن کی آخری آرام گاہ بھی لاہور ہی معلوم ہوتی ہے۔

مصنف تحقیقات چشتی اور مصنف تاریخ لاہور دونوں سنہ نواب خواجہ ابوالحسن خاں کا سال وفات ۱۰۵۰ھ لکھا ہے۔ حالانکہ یہ سال وفات یمین الدولہ نواب آصف خاں (ابوالحسن) کا ہے نواب خواجہ ابوالحسن خاں کا سال وفات جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے ۱۰۴۲ھ ہے۔

ابوالحسن خاں کے مقبرہ کا گنبد بہت بڑا اور دو منزلہ تھا۔ اس کے چاروں طرف آٹھ کمرے تھے۔ انہی کمروں کی چھت بطور گنبد دور دور سے نظر آتی تھی۔ گنبد سنگ سرخ کا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں جنرل ڈی طبلہ فرانسیسی نے یہاں میگزین (بارود خانہ) بہ زیر نگرانی کمیدان بھوپ سنگھ قائم کیا ہوا تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد حکومت (۷ ساون سمت ۱۸۹۹ب) کو بجلی کے حادثہ سے میگزین اڑ گیا۔

---

[1] مسٹر شجاع الدین ایم۔ اے (لاہور) اپنے مضمون مقبرۂ ابوالحسن تربتی مندرجہ معارف اعظم گڑھ جنوری ۱۹۴۵ء میں لکھتے ہیں۔ "اس کا وطن تربت حیدری تھا جو خراسان کے دار الحکومت مشہد مقدس سے جنوب کی سمت مائل بہ مغرب تقریباً پچھتر میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ وہ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آیا"

[2] نواب ابوالحسن خاں کے حالات راقم نے ۸ نومبر ۱۹۴۳ء کو لکھے تھے۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں "مقبرۂ ابوالحسن تربتی" کے متعلق اعظم گڑھ کے رسالہ معارف میں مسٹر شجاع الدین ایم اے (لاہور) کا جو مضمون چھپا ہے۔ اس میں وہ بھی لکھتے ہیں "لاہور کی آب و ہوا دہلی اور آگرہ سے بہتر اور ایران و خراسان سے مقابلۃً نزدیک تر ہونے کی وجہ سے اکثر غریب الوطن امرائے (عہد مغلیہ) نے اسی شہر کو اپنا وطن قرار دے کر یہاں فلک بوس محلات رشک فردوس باغات اور عالی شان مساجد و مقابر بنوا کر اس شہر کی گوناگوں خوبیوں کو چار چاند لگا دیے تھے"

اور اپنے ساتھ کئی آدمیوں کو مجروح کر کے آٹھ دس آدمیوں کو بھی اُڑا کر لے گیا۔

لیکن اس صدمہ عظیم کے باوجود گنبد ابھی تک کھڑا ہے مصنف تحقیقات چشتی کے زمانہ ۱۸۶۰ء اور مصنف تاریخ لاہور کے زمانہ ۱۸۸۱ء تک اس گنبد کے نقش و نگار کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ مقبرہ کے اندر بھی عہد شاہجہانی کے تمام آثار پائے جاتے تھے۔ ۱۸۶۴ء کے بعد محکمہ نزول (سرکار انگریزی) نے اس مقبرہ کی ٹوٹی پھوٹی عمارت کو نیلام کر دیا۔ اور خشت فروشوں نے اس کی بنیادوں کو ایسا کھودا کہ نشان تک باقی نہ رکھا۔

لاہور میں مغل شہزادوں اور مغل اُمراء کے جس قدر مزار نظر آتے ہیں ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی باغ بھی ہوتا تھا۔ وہ باغ یا تو اُس امیر یا شہزادہ نے پہلے ہی احداث کرایا ہوا ہوتا۔ یا اُس کی وفات کے بعد اُس کے مقبرہ کے گرد وہ باغ تعمیر کیا جاتا۔ مقبرہ ابوالحسن خان کے چاروں طرف بھی ایک وسیع باغ تھا۔ اور اس کے گرد اس کی اپنی بنائی ہوئی کئی عمارتیں تھیں۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے یہ عمارتیں عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ تک موجود تھیں چونکہ کوئی محافظ نہ تھا۔ لوگوں نے اینٹیں اکھاڑ لیں۔

اس گنبد کے غرب رویہ ایک مدور چاہ کلاں ۱۸۸۲ء تک موجود تھا۔ یہ اتنا بڑا کنواں ہے کہ اس پر دس بارہ چرخ چوب (رہٹ) بہ آسائش و فراغت چل سکتے ہیں۔ اسی عظیم کنوئیں سے معلوم ہوتا ہے۔ باغ ابوالحسن خان کو پانی ملا کرتا تھا۔ اس کنوئیں کے اندر ایک محرابی در بھی تھا۔ جو اُس سرد خانہ سے ملتا تھا جو مقبرہ کے نیچے بنایا گیا تھا۔

اسی احاطہ کے اندر نواب مخدومہ بیگم کے مقبرہ کا گنبد بھی ہے۔ یہ بیگم نواب ابوالحسن خاں کی بیوی تھی۔ خاوند کی وفات کے بعد ۱۰۶۶ھ میں انتقال کر گئی۔ اس نے اپنا مقبرہ اسی باغ کے اندر اپنی زندگی ہی میں بنوا لیا تھا۔ خاوند کے ادب و احترام کے لحاظ سے اس نے اپنے مقبرہ کا گنبد ذرا چھوٹا بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ مربع صورت کا ہے اس کے چاروں طرف چار قالبوتی دروازے ہیں اندر کاشی کا کام ہے۔ قبر اور قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا تھا لیکن سکھ عہد حکومت کی نذر ہو گیا۔[1] تحقیقات چشتی (ص ۳۷۸ پر) لکھا ہے کہ یہ عورت بڑی قابل اور شاعرہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند کی قبر پر ایک ہزار حافظ قرآن۔ قرآن خوانی کے لیے مقرر کر رکھے تھے اور صدہا کنوئیں خرید کر اس مزار کے ساتھ وقف کر رکھے تھے۔ عہد محمد شاہ بادشاہ میں حضرت حامد قاری اس کارخانہ عبادت کے مہتمم تھے۔ یعنی اس مزار کے متعلق جس قدر مصارف ہوتے تھے وہ انہی کی معرفت تقسیم ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ نواب خان بہادر زکریا خاں ناظم لاہور کے زمانہ تک حفاظ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ لیکن اب کیا ہے؟

دنی برباد میں اُڑتی ہے اب خاک
یہ بستی غیرت جنت کبھی تھی

راقم نے دیکھا کہ اُس رشک فردوس باغ، اُن عالیشان مکانات اور اُن سنگ مرمریں مقبروں کی جگہ زمیندار حقہ پی رہے ہیں۔ ہل چل رہے ہیں۔ گل و بلبل کی جگہ زاغ و زغن کا بسیرا ہے اور وہ بلند ترین منقش گنبد جن سے شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ اب عبرت کا ایک دردناک مجسمہ بنے ہوئے ہیں جہاں بہت سے حفاظ قرآن خوانی کے لیے موجود رہتے تھے وہاں آج کوئی اشک حسرت

---

[1] تاریخ لاہور رائے بہادر کنہیا لال صفحہ ۲۶۳

بہلانے والا بھی نہیں ؎

از خزاں پامال کرد افسوس گردوں باغ را  جائے بلبل داد اے حسرت زمانہ زاغ را

مضمون

# ہفت روزہ تصویر پاکستان

لاہور

یکم اکتوبر 1993ء

HERITAGE

حضرت قاری حامدؒ کے مزار پر واقع

# برگد کا پانچ سو سال پرانا درخت

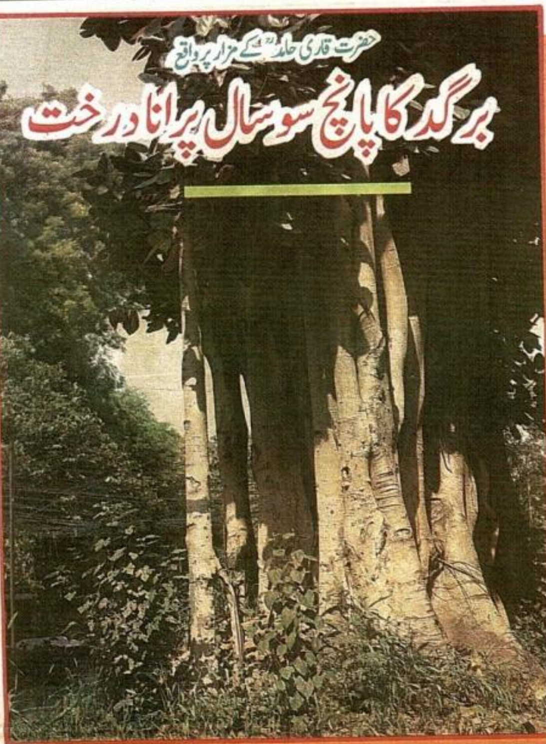

محسن جعفر

تصاویر: شاہد جگو

لاہور ایک انتہائی قدیم شہر ہے۔ بعض تاریخ دان تو یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ لاہور کا شمار دنیا کے ان تین قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے جو زمانہ قدیم سے لیکر آج تک آباد رہے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ لاہور کو ہندوؤں کے مذہبی اوتار راجہ رام کے بیٹے راجہ لوہ نے آباد کیا تھا۔ اور اسی کے نام کی نسبت کی وجہ سے اس شہر کا نام لوہور پڑ گیا تھا جو زمانے کے ساتھ ساتھ بگڑ کر لاہور ہو گیا۔ حضرت امیر خسرو بارھویں صدی ہجری میں اپنی تصنیف "قران السعدین" میں لاہور کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

از حد سامانہ تا لہاور
ہیچ عمارت نہ مگر در قصور

لاہور شہر کی ایک بدقسمتی یہ رہی ہے کہ اس شہر کا محل وقوع اس طرح کا تھا کہ زمانہ قدیم سے ہی یہ شہر وسطی ایشیا کے حملہ آور قبائل کے حملوں کا نشانہ بنتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد مرتبہ یہ شہر مکمل طور پر تخت و تاراج ہوا اور صدیوں تک ویران رہنے کے بعد دوبارہ آباد ہوا۔ یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ ان تمام تر تباہیوں کے باوجود آج بھی لاہور میں تاریخی نوعیت کے آثار موجود ہیں۔ جس سے عام انسان اتنی

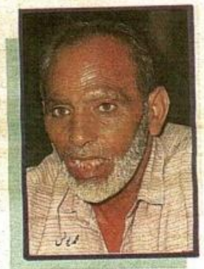

محمد یونس

واقفیت نہیں رکھتا۔ ریلوے ورکشاپ مغل پورہ میں واقع قاری حامد سہروردی کے مزار پر برگد کا عظیم الشان درخت بھی انہی تاریخی آثار میں سے ایک ہے۔ اس درخت کے متعلق روایت ہے کہ یہ پانچ سو سال پرانا ہے۔ بعض افراد تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ درخت اس سے بھی زیادہ پرانا ہے۔

اس درخت کے متعلق گفتگو کرنے سے بہتر ہے کہ پہلے صاحب مزار قاری حامد سہروردی کے متعلق گفتگو کر لی جائے۔ یہ بزرگ مغل بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں لاہور کے ایک نامور عالم دین اور فقیہ تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت میں ان کو ملکہ حاصل تھا۔ کڑی شاہو لاہور میں بادشاہ شاہ جہاں کے مشیر خاص ابوالحسن تربتی اور ان کے بیٹے ظفر خان احسن کا عالی شان مزار تھا۔ اس مزار پر چوبیس گھنٹے دو سو کے قریب حافظ قرآن تلاوت کرتے رہتے تھے۔ ملا حامد قاری ان تمام قاریوں کے انچارج تھے۔ انہوں نے اس مزار سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر اپنی خانقاہ بنائی تھی ساتھ ہی ایک مسجد اور ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔ اس وقت یہ علاقہ لاہور شہر کی آبادی سے دور تھا۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر بیگم پورہ کی قدیم آبادی تھی۔ کنہیا لال ہندی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "تاریخ لاہور" میں لکھتا ہے کہ مسجد کے اوپر ملا حامد قاری نے تاریخ بھی نصب کرائی تھی جو یوں ہے۔

خدا نہ را شکر دارم بجاو
چہ خوش مسجد از دست مسکیں نماو
خرد گفت در سال تاریخ آں
زوفلت دورش زوالش مباد
1114ھ

ملا حامد قاریؒ اسی مسجد میں اپنے شاگردوں کو درس بھی دیتے تھے۔ وہ سہروردی سلسلے کے بزرگ مولوی تیمور کی بیعت میں تھے۔ قاری ہونے کے علاوہ ملا حامد ایک جید عالم دین تھے اور اجتہاد کے بلند درجے پر فائض تھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی انہی کی اولاد میں سے تھے۔ ملا حامد قاریؒ کا انتقال 1164 ہجری میں ہوا۔ ان کا عرس ہر سال 14 جمادی الثانی کو منایا جاتا ہے۔

ملا حامد قاریؒ کے مزار پر جانے کیلئے ایک طویل سرنگ سے گزرنا پڑتا ہے جو تقریباً پونے کلومیٹر لمبی ہے۔ اس سرنگ کے متعلق بڑی دلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آج سے تقریباً سوا سو سال قبل جب انگریز برصغیر میں ریلوے نظام متعارف کروا رہے تھے تو انہوں نے مغل پورہ لاہور میں ریلوے کا کارخانہ قائم کرنا چاہا۔ منصوبے کے مطابق ملا حامد قاری کا مزار بھی اس مجوزہ کارخانہ کی زمین میں شامل تھا۔ اس وقت کے انگریز انجینئر کا پلان تھا کہ ملا حامدؒ کی قبر کے دائیں اور بائیں سے ریل کی چار چار پٹڑیاں گزاریں، مگر وہ کوشش کے باوجود ایسا نہ کر سکے۔ رات کو وہ وہاں پر لوہا ڈال کر جاتے لیکن جب صبح آتے تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے کہ لوہا وہاں نہیں ہوتا تھا بلکہ بہت دور پڑا ہوتا تھا۔ جب کئی روز تک ایسا ہی ہوتا رہا تو انگریز انجینئر خود حضرت حامد قاریؒ کے مزار پر آیا اور اس نے باقاعدہ معافی مانگی اور یہاں ریل کی پٹڑیاں بچھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ پھر اسی انجینئر نے اس مزار کا راستہ عوام کیلئے کھلا رکھنے کیلئے یہ سرنگ بنوائی۔ بہت کم لوگوں کو اس سرنگ کے بارے میں علم ہے۔ یہ سرنگ علی مردان کے مقبرے تک جاتی ہے جو لاہور کا سب سے اونچا مقبرہ ہے۔

ملا حامد قاریؒ کے مقبرے کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے معروف تاریخ دان اور شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب کے سابق چیئرمین پروفیسر محمد اسلم نے بتایا کہ جب ملا صاحب نے یہاں اپنی خانقاہ تعمیر کی تھی اس وقت بھی یہ درخت یہاں موجود تھا۔ انہوں نے بتایا کہ برصغیر میں برگد کا قدیم ترین درخت کلکتہ میں ہے۔ اگر یہ درخت واقعی پانچ سو سال پرانا ہے تو پھر شاید یہ برصغیر میں برگد کا قدیم ترین درخت ہے۔ کیونکہ کلکتہ والا درخت تقریباً تین سو سال سے زیادہ پرانا نہیں۔

## یہاں دیکھا جانے والا اژدھا معمہ بن گیا

اس مزار سے متعلق بعض پراسرار کہانیاں بھی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس مزار کے ارد گرد سانپ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ صبح صبح کے وقت یہ سانپ مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کے رینگنے کے نشانات زمین پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ یہاں ایک کالے رنگ کا اژدھا بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس اژدھے کے جسم پر لمبے لمبے بال ہیں۔ اور اس کی لمبائی پچیس فٹ اور چوڑائی تقریباً دو فٹ ہے۔ اژدھے کا لاہور جیسے علاقے میں پایا جانا خاصا حیرت انگیز امر ہے کیونکہ اژدھے عموماً ایسے گھنے جنگلات میں پائے جاتے ہیں جہاں دلدل اور پانی بہت زیادہ ہو۔

اس سلسلے میں مزار کے رکھوالے محمد یونس سے گفتگو ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ گزشتہ 33 سال سے اس مزار سے منسلک ہے۔ جب اس سے اژدھے کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے تصدیق کرتے ہوئے کہا "ہاں جی ہاں اژدھا متعدد مرتبہ دیکھا

باقی صفحہ 22 پر

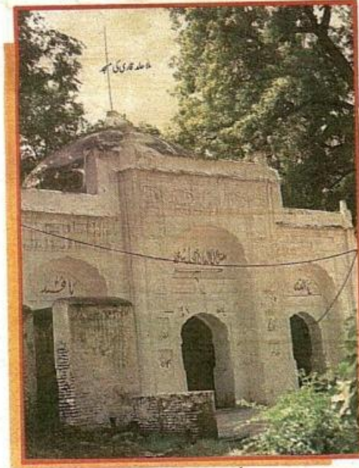


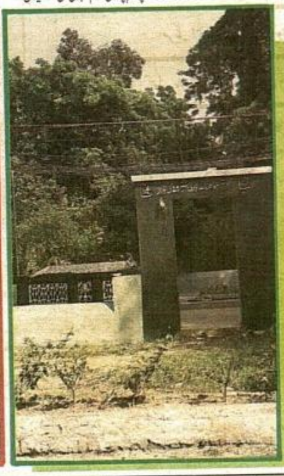

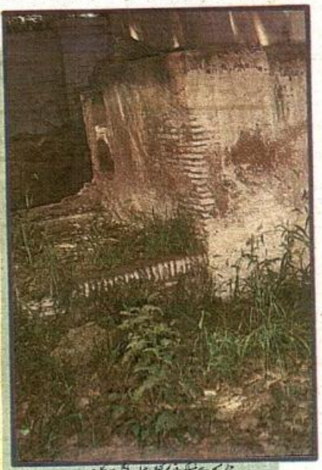

مزار مسجد سے منسلک قدیم کنواں جو اب خشک ہو چکا ہے

ہفت روزہ تصویر پاکستان (5) یکم اکتوبر 1993ء

ہفت روزہ
تصویرِ پاکستان
WEEKLY TASWEER.E.PAKISTAN
شمع سی تیری آنکھیں سانی ہیں کس قدر!
ڈائنوسارس کا دور واپس آگیا
برگد کا پانچ سو سال پرانا درخت
روس ایک بار پھر ڈانواں ڈول
مناواں کا مبینہ پولیس مقابلہ منظر، پس منظر، پیش منظر
صومالیہ: امن بذریعہ طاقت کی تمام کوششیں ناکام
بروک شیلڈ کا آسٹریلیا میں تازہ ترین عشق
جو سچائی عورت کے پاس ہے، مرد کے پاس نہیں، نسرین انجم بھٹی
اصل کھیل تو الیکشن کے بعد شروع ہو گا
سرمایہ دارانہ دنیا کا بحران مستقل ہے، عارضی نہیں لین والش
FAIRY TALE

## بقیہ:۔ درخت

گیا ہے خود میں نے اپنی آنکھوں سے کئی مرتبہ یہاں اس اژدھے کو دیکھا تھا اس روز میں سرنگ میں سے سائیکل پر مزار کی طرف آرہا تھا تو یہ اژدھا وہاں موجود تھا۔ پہلے میں اسے دیکھ کر ڈر گیا اور رک گیا کیونکہ مجھے اس کے پاس سے ہو کر گزرنا تھا۔ لیکن بعد میں ہمت کر کے اس کے پاس سے گزر گیا۔ اور اس نے سر اٹھا کر بھی مجھے نہیں دیکھا" محمد یونس نے بتایا کہ یہاں پائے جانے والے سانپ اور اژدھے لوگوں کو کچھ نہیں کہتے۔ آج تک ان سانپوں نے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا"۔

یہ سانپ کھاتے کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں محمد یونس نے بتایا کہ یہ ایک ویرانہ اور جنگل ہے۔ یہاں جنگلی چوہوں، گلہریوں اور دیگر حشرات الارض کی کثرت ہے۔ یہ سانپ یہی جانور کھاتے ہونگے تاہم مجھے اس سلسلے میں زیادہ معلومات نہیں۔

**اگلے صفحہ پر دی گئی یادگار چشتی کتاب کی اشاعت 1858 ء / 1275 ھ کو ہوئی تھی اور بعد میں اسے محترم گوہر نوشاہی نے مجلس ترقی ادب لاہور سے دوبارہ شائع کرایا تھا۔**

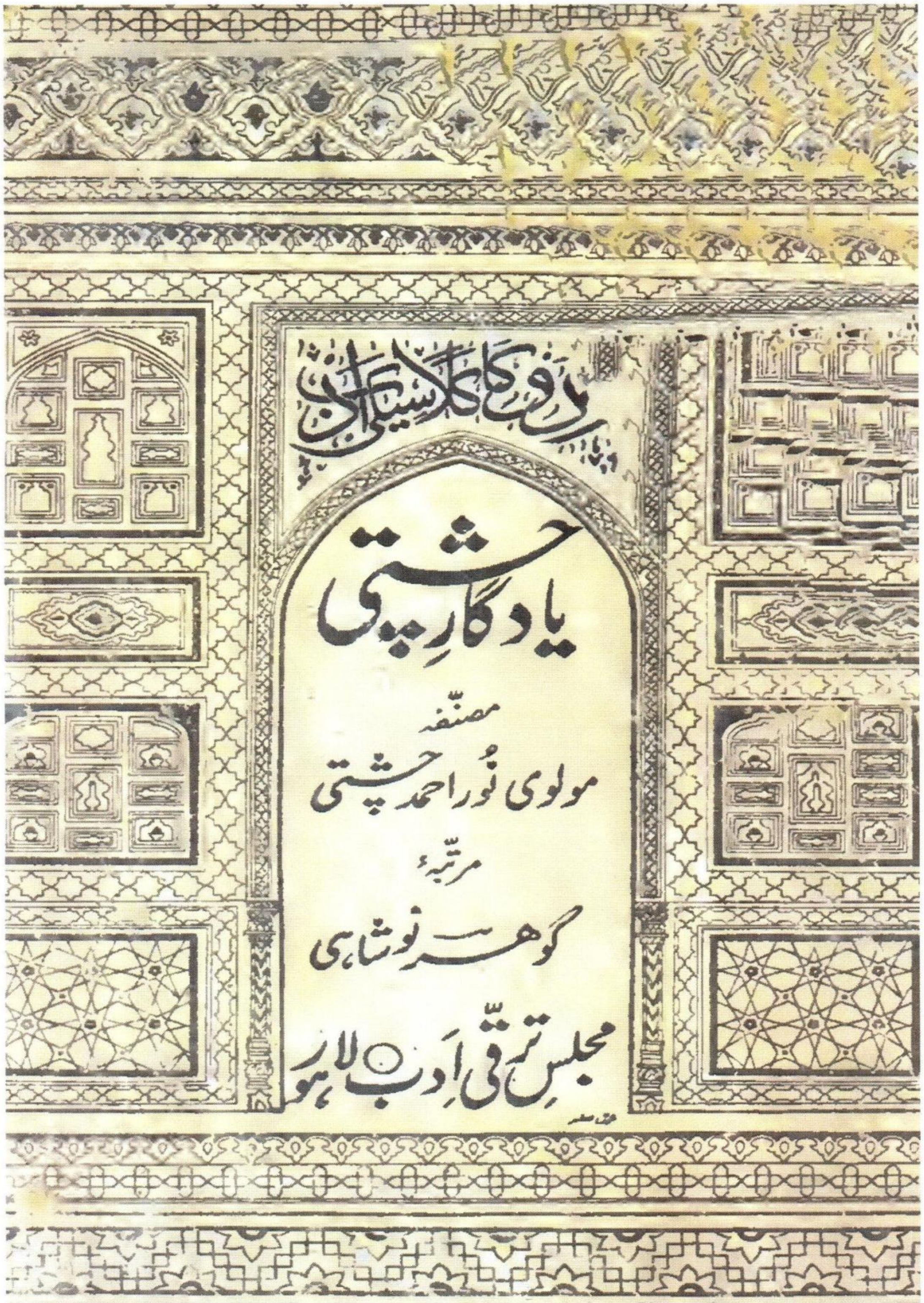
اردو کا کلاسیکی ادب
یادگارِ چشتی
مصنّفہ
مولوی نور احمد چشتی
مرتّبہ
گوہر نوشاہی
مجلسِ ترقّیِ ادب لاہور

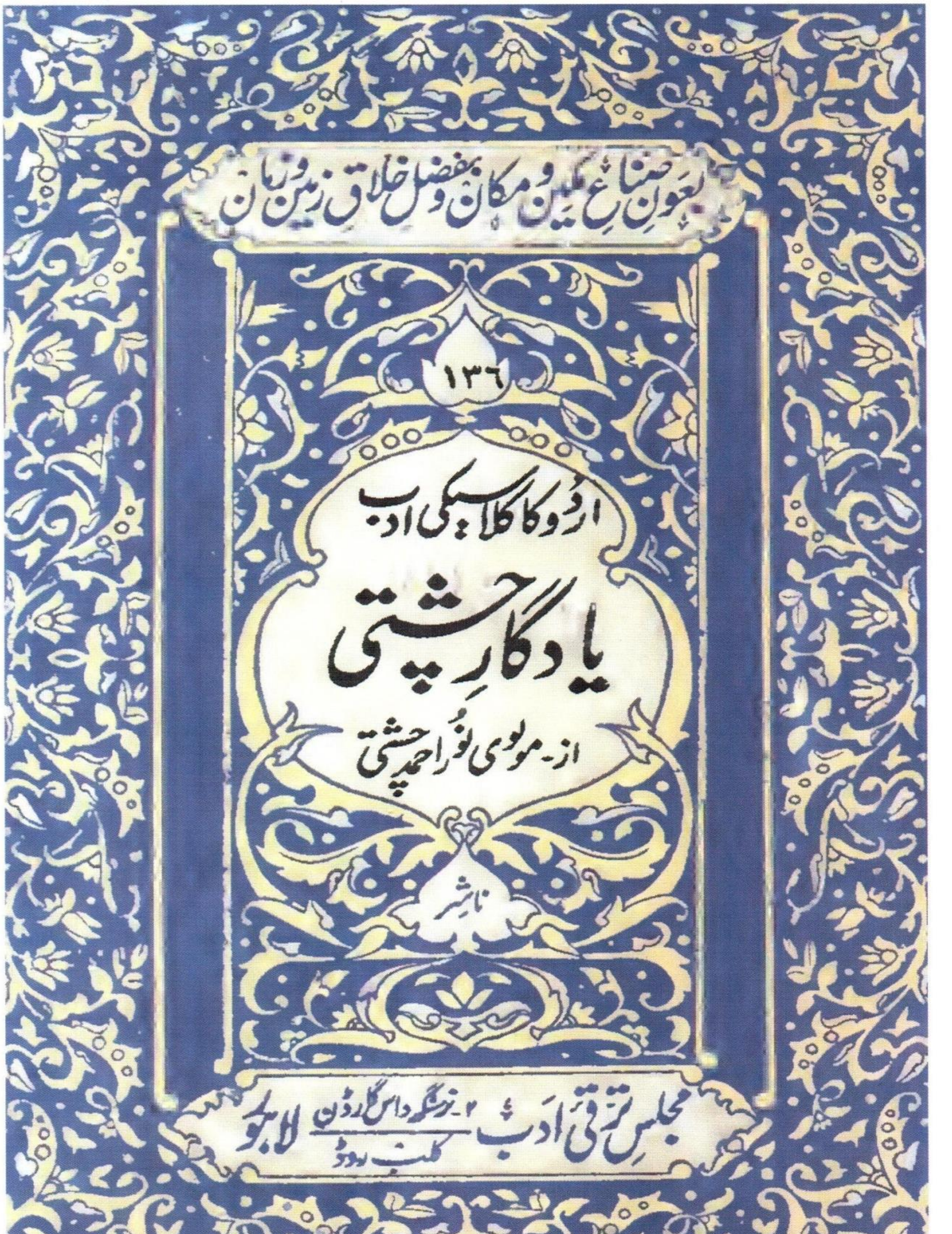
بعون صناعِ مکین و مکان و بفضل خلاق زمین و زمان

۱۳۶

اردو کا کلاسیکی ادب

# یادگارِ چشتی

از- مولوی نور احمد چشتی

ناشر

مجلسِ ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

عسرت اور تنگ دستی کا نقشہ کھینچا ہے ، آس نے بعد میں ان کی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ مولوی صاحب کی ذات میں سخت کوشی ، دور اندیشی اور ذہانت انھی حالات کے تحت پیدا ہوئی ۔ چنانچہ مولانا یکدل سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد کی مسند تعلیم و تعلّم پر رونق افروز ہو گئے ۔

مولانا یکدل کے بیان کے مطابق سترہ برس[1] کی عمر ہی میں ان کی شادی مولوی محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن جان محمد بن رزق اللہ کی صاحب زادی فضل النساء سے ہو گئی ۔ والد کی غیر موجودگی میں بوڑھی والدہ اور بیوی کا خرچ مدرسے کی قلیل آمدنی سے کیسے پورا ہو سکتا ۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ نے اپنے خسر یعنی مولوی محمد بخش صحاف کے ساتھ مل کر کتابت ، ترجمہ اور نقل نویسی کا کام شروع کر دیا ۔ بیاضوں ہی میں ایک جگہ اس کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے ۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی محمد بخش کے علم میں ہے کہ میں کس قدر تیزی کے ساتھ کتابیں لکھتا تھا ۔ یہ زمانہ یقیناً ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ع) کے درمیان کا ہوگا ۔ کیونکہ ۱۸۱۷ع میں ، جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا ، مولانا یکدل کی باریابی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ہو گئی تھی ۔ ان تین چار سالوں میں ، جن کا اوپر ذکر ہوا ، مولانا یکدل کام

---

۱ ۔ یکدل کے الفاظ ہیں : ''در ہفدہ سالگی مرا بدختر محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن جان محمد بن رزق اللہ دامن چاک کرد ۔'' (بیاض نمبر ۱۳) لیکن ایک دوسری جگہ اس شادی کا سال ۱۲۳۰ھ بیان کیا گیا ہے ۔ (بیاض نمبر ۷) اس اعتبار سے شادی کے وقت یکدل کی عمر سترہ برس سے یقیناً زیادہ ہوگی ۔

کی زیادتی اور حالات کی نامساعدت کے سبب سے اس قدر پریشان تھے کہ آپ کو دماغی عارضہ لاحق ہوگیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''در مکتب لاہوری منڈوی در ہفدہ سالگی بہ طفلان چوپڑگان ہندو نژاد تعلیم دادہ ترجمہ نویسی و کتابت و شعر و سخن و شورشی در دل از آں آفتاب منظر[1] در دلم پیدا می آمد ، شدہ شدہ بمالیخولیا کشید۔ من دامنِ قرآن شریف مستحکم گرفتہ غلامیِ درگاہِ عرش اشتباہ حضرت قدوۃ السالکین مخدوم علی گنج بخش ہجویری برگزیدم و شام ہر روز بلاناغہ چہ ابر و چہ صفا و چہ گل و لا و چہ تاریکی و روشنائی ، عشا در حرمِ اقدس خواندہ در خانہ می آمدم۔ و ازاں ناز خیر شاہ سیّد طبیب در چوک جھندہ فصد و ماء الجبن و شش ماہ بادرنجبویہ و اسطوخودوس ۶ ماشہ دو وقتی می فرمود ، تا اللہ تعالیٰ ببرکتِ قرآن شریف و حمایتِ جناب ہجویر و بغداد رحمہما اللہ نجات داد[2]۔''

---

۱۔ ''آفتاب منظر'' سے اشارہ کس کی طرف ہے ، ہرچند کہ واضح نہیں لیکن گمان کہتا ہے کہ یہ کسی محبوب سے وابستگی کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے اس ''آفتاب منظر'' کا نام ''حاتم'' ہو۔ مولانا یکدل کے خسر مولوی محمد بخش کو بھی اسی نام پر شبہ ہوا تھا ، جس پر مولانا یکدل ان الفاظ میں خفا ہوئے ہیں: ''حاتم بر من جان دادی و مجلای او را معشوقۂ من قرار دادی۔'' (بیاض نمبر ۱۳) ''حاتم'' کا ذکر مولانا یکدل نے اس سے قبل بیاض نمبر ۱۲ میں جس طرح کیا ہے ، اس سے بھی اس شبہے کو تقویت پہنچتی ہے۔ ''حاتم'' مولانا کی دودھ بہن تھی۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ تعلق جنسی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی تھا۔

۲۔ بیاض نمبر ۱۳۔

خبر نہ کردیم[1] ۔ "

۷ ۔آمۃ البتول : بچپن میں ان کا ایک نام جتیاں بی بی بھی تھا ۔ معنی معلوم نہ ہو سکے ۔ لیکن مولوی یکدل نے اپنے روزنامچوں میں اشارۃً لکھا ہے کہ انھیں چھیڑنے کے لیے "کھتیاں چتیاں" بھی کہتے تھے۔ ۲ ماہ رجب المرجب سہ شنبہ ، ۱۲۴۰ھ کو یکپاس ماندہ پیدا ہوئیں[2] ۔ شنبہ پانزدہ ماہ رجب المرجب ۱۲۴۹ھ مطابق مگھر سمت ۱۸۹۰ کو مفتیوں کے گھر میں ان کی شادی ہوئی[3] ۔ بیس سال تک زندہ رہ کر ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ع میں فوت ہو گئیں ۔

۸۔ نور احمد : تفصیل آئندہ سطور میں بیان ہوگی ۔

زوجۂ دوم عظمت النسا کے بطن سے :

۹۔ مولوی محمد علی : ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے بیٹے مولوی حامد علی چشتی نے آپ کا مادۂ تاریخِ ولادت "فہو حسبہ مولوی محمد بخش" کے الفاظ سے نکالا ہے[4] ۔ دیوان امر ناتھ اکبری نے جو مادۂ تاریخ موزوں کیا ، اسے یکدل نے اس جملے میں درج کیا ہے : "محمد علی جی بماہ شوال یک ہزار و دو صد

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۲ ، مملوکۂ مرتب ، ورق نمبر ۱۳ ۔

۲ ، ۳ ۔ بیاض نمبر ۲ ۔ امۃ البتول کی شادی مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کے خاندان میں ہوئی تھی ۔ (روایت مولانا مسعود علی چشتی)

۴ ۔ حاشیۂ بیاض نمبر ۳ ۔

۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷ - مارچ ۱۸۶۳ء کو ہوا -

مولوی محمد علی صاحب علم و فضل اور بہت اچھے شاعر بھی تھے - "ہردل" تخلص کرتے تھے - آپ کے اشعار چشتی خاندان کی بیاضوں اور "رفیقِ ہند" کی فائلوں میں موجود ہیں - آپ کا انتقال ۱۷ مارچ ۱۸۹۱ء کو بعارضۂ تپ ہوا -[1]

۱۰- زیب النساء : مولانا مسعود علی چشتی کی روایت کے مطابق یہ خاتون مولوی سراج الدین کی زوجہ تھیں - ان کے بطن سے ایک فرزند فخرالدین صدیقی پیدا ہوئے - زیب النساء کی ساس کا ذکر مولوی یکدل کے روزنامچوں میں موجود ہے[2] -

۱۱- اقبال النساء : ان کے بارے میں اس قدر معلومات فراہم ہوتی ہیں کہ آپ مولوی امیر بخش بن خیر الدین بن مولوی محمد بخش صحاف کی زوجۂ ثانی تھیں -

زوجۂ سوم (بیگم نام) کے بطن سے :

۱۲- دختر : مولوی یکدل نے اس لڑکی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "بعد از انفصال شیر دایہ رخصت شد -"

زوجۂ چہارم بختاور بی‌بی کے بطن سے :

۱۳- محمود علی : محمود علی کے بارے میں مولوی یکدل لکھتے ہیں : "برخوردار محمود علی باسم "مولوی" کہ برابر اعداد "محمد" است موسوم برای خوردی -" محمود علی

---

۱ - پنجاب گزٹ سیالکوٹ ، بابت ۲۸ مارچ ۱۸۹۱ء -

۲ - "خوشدامنِ زیب النساء ۱۲ - جمادی الاول ۱۲۷۲ھ رفت -" (یکدل : اوراقِ منسلکہ گلستان) -

امان اللہ ، چوتھے مفتی باقرؔ۱ ۔"

## ۳

مولوی نور احمد چشتی ، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ، مولوی احمد بخش یکدل کی پہلی بیوی مسماۃ فضل النساء بنت مولوی محمد بخش صاحب کے بطن سے تھے ۔ مولوی محمد بخش کی دوسری صاحبزادی جن کا نام ایمنہ تھا ، مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن مفتی محمد یوسف کے نکاح میں تھیں ۔ اس لحاظ سے مفتی علی الدین۲ مصنّف 'عبرت نامہ'۳ رشتے میں مولوی نور احمد چشتی کے خالو تھے۴ ۔ مولوی

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۲ ۔ یہ جائداد غالباً آپ کے اخلاف نے بیچ دی ہوگی ۔ مذکورہ جگہ پر اب نئے مکان بنے ہوئے ہیں اور اہل محلہ میں سے اب کوئی شخص آپ کے نام سے واقف نہیں ہے ۔

۲ ۔ "یکدل : بیاض نمبر ۱۲ : مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن مفتی محمد یوسف کہ در عہد احمد شاہ درانی علم خوالدہ مفتی گری گرفت ۔ والدۂ علی الدین صاحب جان ۔"
نیز : "میگوید بندۂ نیاز آگین مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین مرحوم لاہوری عفی اللہ عنہما کہ . . . از بدو سنہ ۱۸۲۳ عیسوی مطابق ۱۲۳۹ ھجری موافق سمت ۱۸۸۱ بکرماجیتی مع والد مرحوم خود از لاہور کہ وطن آبائی و اجدادی و زاد بومم بود ، بہ سبب ظلم سنگھاں برآمدہ بلودھیانہ رسیدم و ازاں تا یومنا ھذا کہ سنہ ۱۸۵۴ عیسوی مطابق سنہ ۱۲۷۰ ھجری موافق سمت ۱۹۱۱ بکرماجیتی است ، بجناب اکثری صاحبان ذی شان . . . حاضر بودہ ۔" (عبرت نامہ ص ۱) ۔

۳ ۔ مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈیمی ، لاہور ۱۹۶۱ع ۔

۴ ۔ مفتی علی الدین کے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے مولوی یکدل لکھتے ہیں : (بیاض نمبر ۱۳) "جلال الدین پسر علی الدین بن خیر الدین بن غلام محمد بن یوسف نواسۂ محمد بخش مجلای از بطن ایمنہ ۔"

نور احمد کا ننھیالی شجرہ شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے۔

مولوی نور احمد کی ولادت کے بارے میں مولوی یکدل لکھتے ہیں :

"بعد ازاں بجای ششم برخوردار نور احمد چشتی طالعمرہ در ۱۲۴۴ھ چہار شنبہ ، ہفتم ذی الحجہ (مطابق ۱۰ جون ۱۸۲۹ع) تولّد شدہ در پرورشِ او سعی میکردم و او را "جھنڈ" بر سر گزاشتم ، مردم او را "جھنڈو" می گفتند[1] ۔"

مولوی نور احمد ابھی چھ سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ تعلیم اپنے والدِ بزرگوار کے مدرسے میں حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ راجگان کے بیٹوں کو تعلیم دیتے رہے اور پھر انگریزی مدرسے کے معلّم ہوگئے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں :

"اور یہ کمترین بعمر چاردہ سالہ بفضلہ تعالٰی شانہ فارغ التحصیل ہوکر با مہربانی دیوان امرناتھ صاحب خلف راجہ دینا ناتھ صاحب ، جو بخشی فوج سواری مہاراجہ صاحب تھے ، بعہدۂ وکالت مثل فتح خاں نون میں باقرار پانچ روپیہ یومیہ سرفراز ہوا۔ اور بعد چندی جب عملداری سرکار انگریزی ہوئی تو اول حسبِ معمولِ بزرگانِ خود مدرس رہا اور اس میں صاحبزادگان دیوان کرپا رام[2] اور بیلی رام[3] و بھیا ہری سنگھ سائبر والا وغیرہ ، دیوان بھیم سین پڑھتے رہے۔ اور ۱۸۴۹ عیسوی میں حسب الایما ڈاکٹر

---

۱ - بیاض نمبر ۱۰ - مولوی نور احمد کی تاریخِ ولادت اس مصرع سے برآمد ہوتی ہے : "مہدِ دولت نور احمد مجتبٰی" (تحقیقات)

۲ - دیوانِ موصوف ۱۸۲۶ع میں کشمیر کے گورنر تھے۔

۳ - بیلی رام عہدِ مہاراجہ رنجیت سنگھ میں خزانۂ عامرہ کے افسرِ اعلٰی تھے۔

والدِ بزرگوار مولوی احمد بخش یکدل کی ایک بیاض میں موجود ہے۔ عبارت یوں ہے:

"از ابتدای فصل خریف سمت ۱۹۰۰ (مطابق ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ع) در موضع بابری تعلقہ جسوان علاقہ ملک دوابہ مبلغ پنجاہ روپیہ را (کذا) یکدھنہ چاہ بنام میاں نور احمد چشتی جی مقرر شدہ۔ پروانہ ھا شدہ اند۔ امید کہ بایزدی حمایت جاری باشند۔"

مولوی نور احمد کو معلّمی سے اس قدر معقول آمدنی ہو جاتی تھی کہ وہ بڑی فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ انگریز حکام سے تعلیم و تعلّم کے علاوہ ان کے دوستانہ مراسم بھی تھے۔ مولانا مسعود علی چشتی اپنے بزرگوں کے استناد سے روایت کرتے ہیں کہ مولوی نور احمد لارڈ لارنس لفٹیننٹ گورنر پنجاب کے حلقۂ خاص میں شامل تھے اور ملکی سیاست میں مولوی صاحب موصوف کے مشورے کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ معلّمی کے علاوہ مولوی نور احمد تھوڑا بہت کاروبار کرکے بھی روپیہ کماتے تھے۔ معاصر اخبارات "سفیر ہند" وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حکومتِ انگلشیہ کو کتابوں کی جلدیں "بہ کار چیہ" فراہم کرتے تھے۔ مولوی نور احمد کی اس تجارت سے دلچسپی اس اعتبار سے اور بھی قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مولوی صاحب کے نانا مولوی محمد بخش، صحافت میں شہرہ رکھتے تھے۔ مولوی صاحب لاہور کے علاوہ پشاور سے بھی جلدیں تیار کراتے تھے۔ پشاور میں ان دنوں صاحبِ طرز صحاف موجود تھے۔ ازیں جملہ بہاءالدین پشاوری کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

مولوی نور احمد کو حضرت فیض اللہ شاہ ساکن کرنال سے

---

۱۔ بیاض نمبر ۷۔

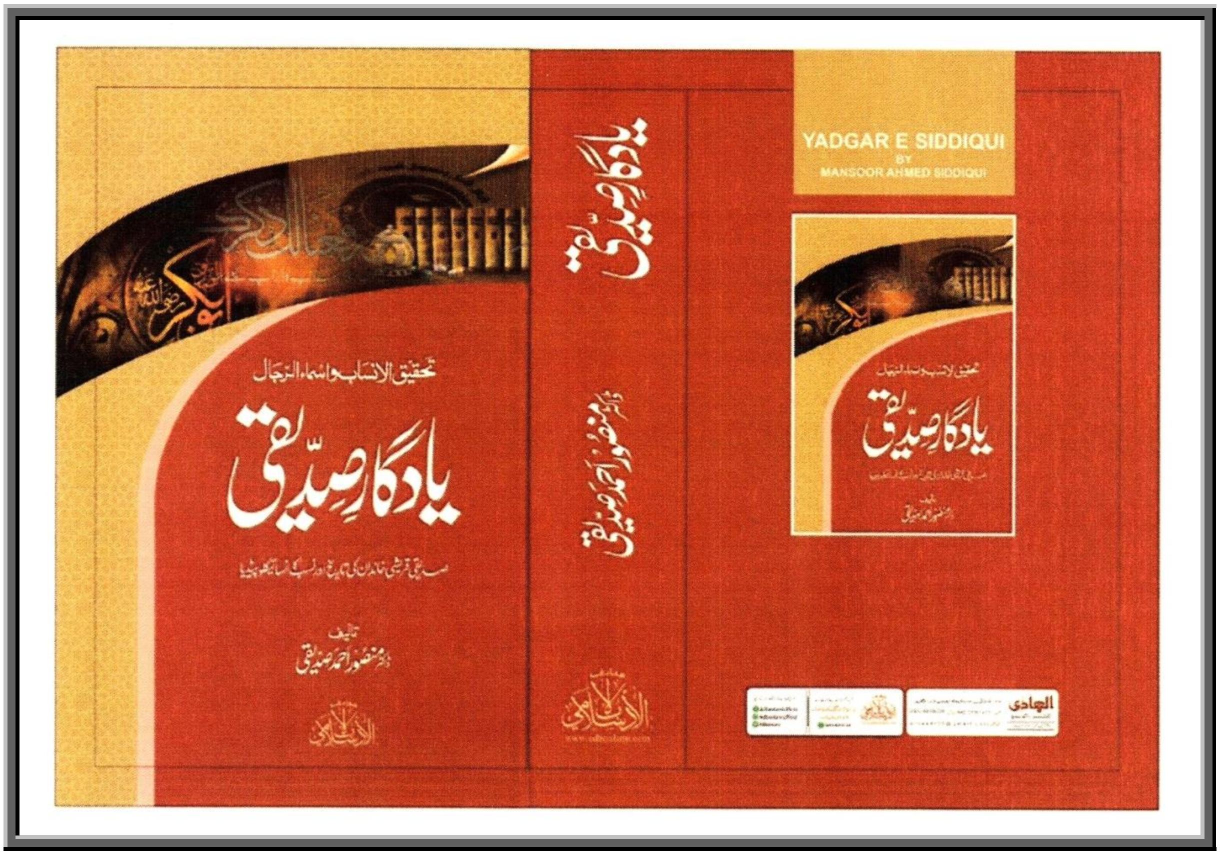


## یادگار صدیقی

## معارف الادب اسلامی–لاہور

تحقیق الانساب واسماء الرجال

# یادگارِ صدیقی

صدیقی قریشی خاندان کی تاریخ اور نسب کا انسائیکلوپیڈیا

تالیف

**منصور احمد صدیقی**

## سیدنا احمد بن قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیقؓ

شجرہ۔60

سیدنا احمد بن قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضؓ

سیدنا احمد
سیدنا عبداللہ
احمد ثانی
ابو بکر ثانی
یعقوب
ابو سعید
عمر
ایوب
عبیداللہ
عبدالباسط
ابو اسحٰق
عبدالعزیز
ابوالقاسم

عبداللطیف
احمد سعید
نعمت اللہ
قطب اللہ
محمد جمیل
محمد سلطان
لطف اللہ
محمد صالح
عبدالواحد
محمد قاسم
عبداللہ
عبدالواسع
احمد اللہ

محمد سعید
عطاء اللہ
رزق اللہ
سعد اللہ
حافظ جان محمد
حافظ رحمت اللہ
حافظ محمد بخش صحاف
مولوی حافظ بخش
مولوی فیض بخش
مولوی محمد دین صدیقی
بشیر احمد صدیقی
عزیز احمد صدیقی
منصور احمد صدیقی
وہاب الرحمن صدیقی
یوسف وہاب صدیقی

شجرہ۔ 61

## حافظ جان محمد بن سعد اللہ بن عطاء اللہ

## ( آل سیدنا احمد بن قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ )

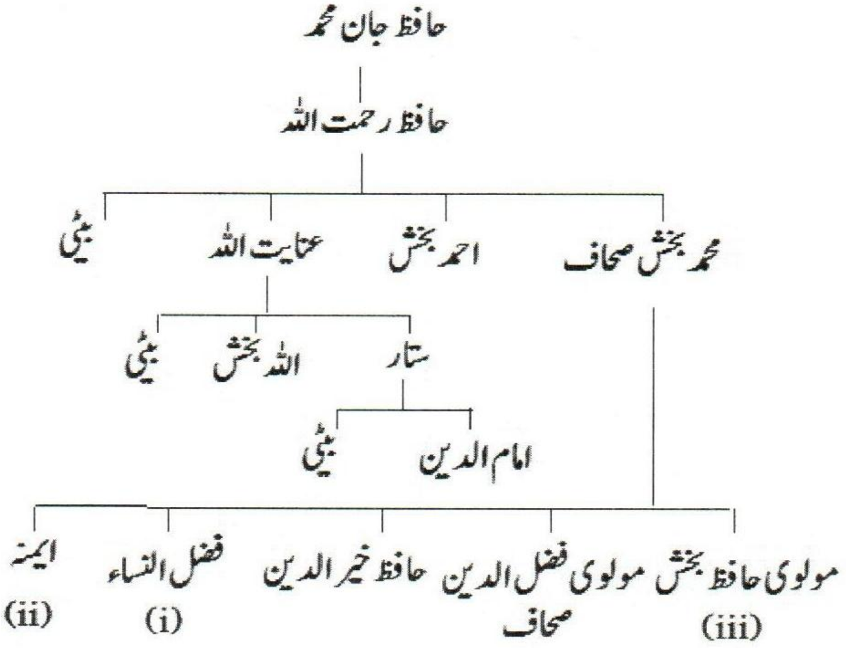


(1) فضل النساء بنت محمد بخش صحاف زوجہ احمد بخش یکدل تھیں اور والدہ مولوی نور احمد چشتی مصنف کتاب تحقیقات چشتی تھیں

(ii) ایمنہ بنت محمد بخش صحاف زوجہ مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن محمد یوسف تھیں۔ مفتی علی الدین مصنف کتاب عبرت نامہ (فارسی) تھے جسے پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور سے ڈاکٹر محمد باقر نے دو جلدوں میں شائع کیا تھا

(iii) جتنے بھی خاندانی شجرے شائع ہوئے ہیں ان میں مولوی حافظ بخش سب سے پہلے نمبر پر ہیں بعض جگہ ترتیب میں حافظ بخش، لڑکی، خیر الدین، خیر النساء، فضل الدین ہے

شجرہ-62

حافظ بخش بن محمد بخش صحاف بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ جان محمد

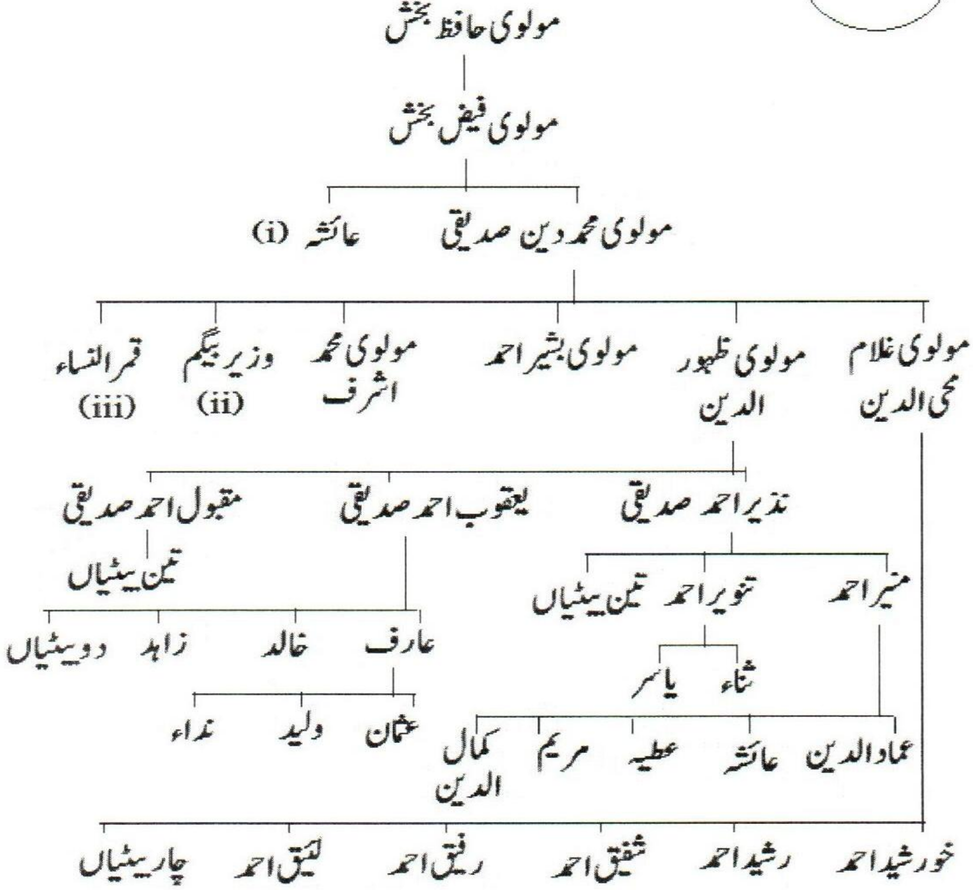


(i) عائشہ بنت مولوی فیض بخش بن مولوی حافظ بخش زوجہ حامد علی چشتی بن محمد علی بن احمد بخش بیکدل

(ii) وزیر بیگم بنت مولوی محمد دین بن مولوی فیض بخش زوجہ عبدالحمید چشتی جن کے 5 بیٹیاں اور 2 بیٹے ہوئے عبدالقادر چشتی اور عبدالباسط چشتی

(iii) قمر النساء بنت مولوی محمد دین صدیقی بن مولوی فیض بخش زوجہ شیخ محمد دین

مولوی بشیر احمد صدیقی بن مولوی محمد دین بن مولوی فیض بخش بن مولوی حافظ بخش

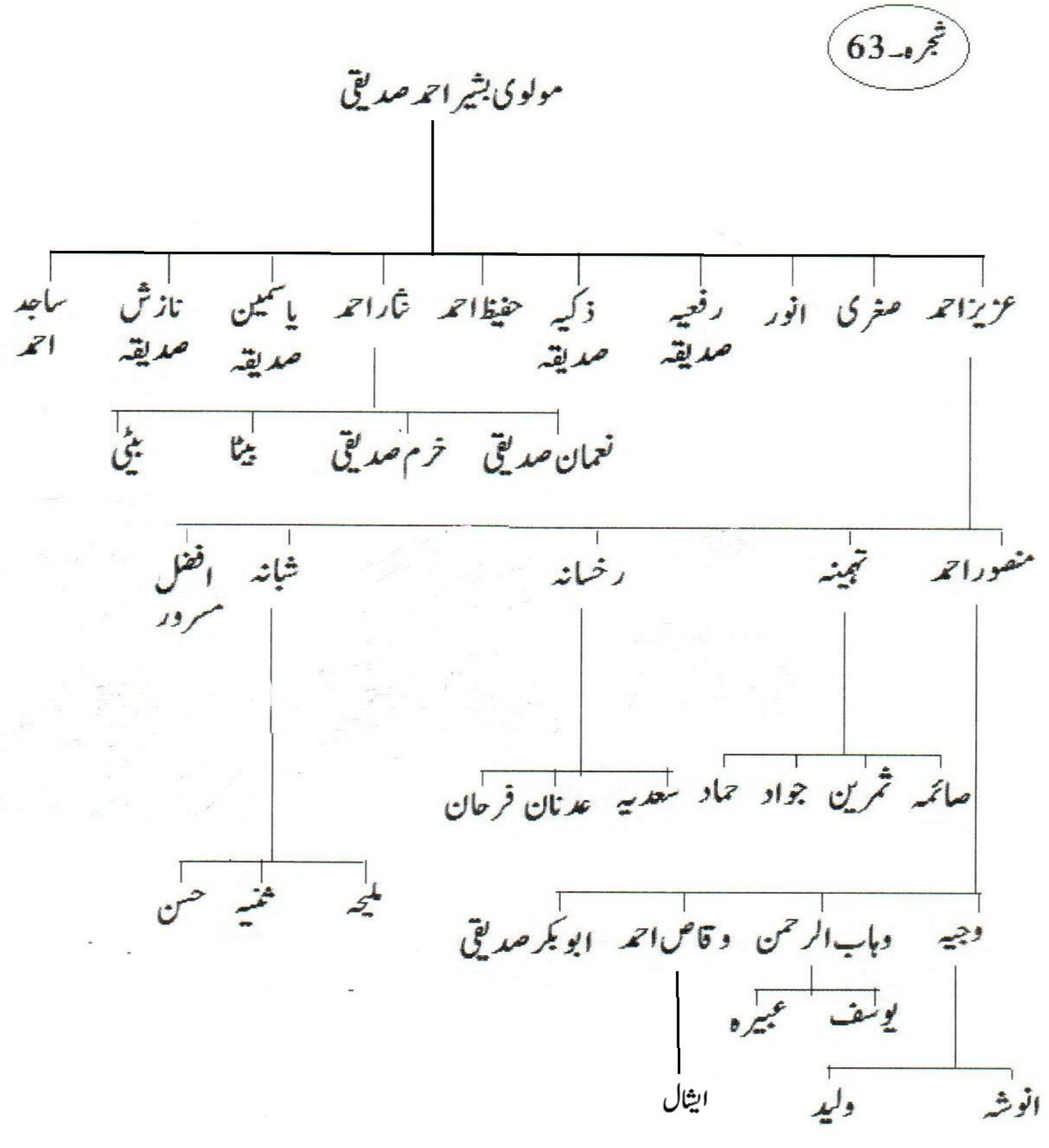

مولوی فضل الدین صحاف بن محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن حافظ جان محمد

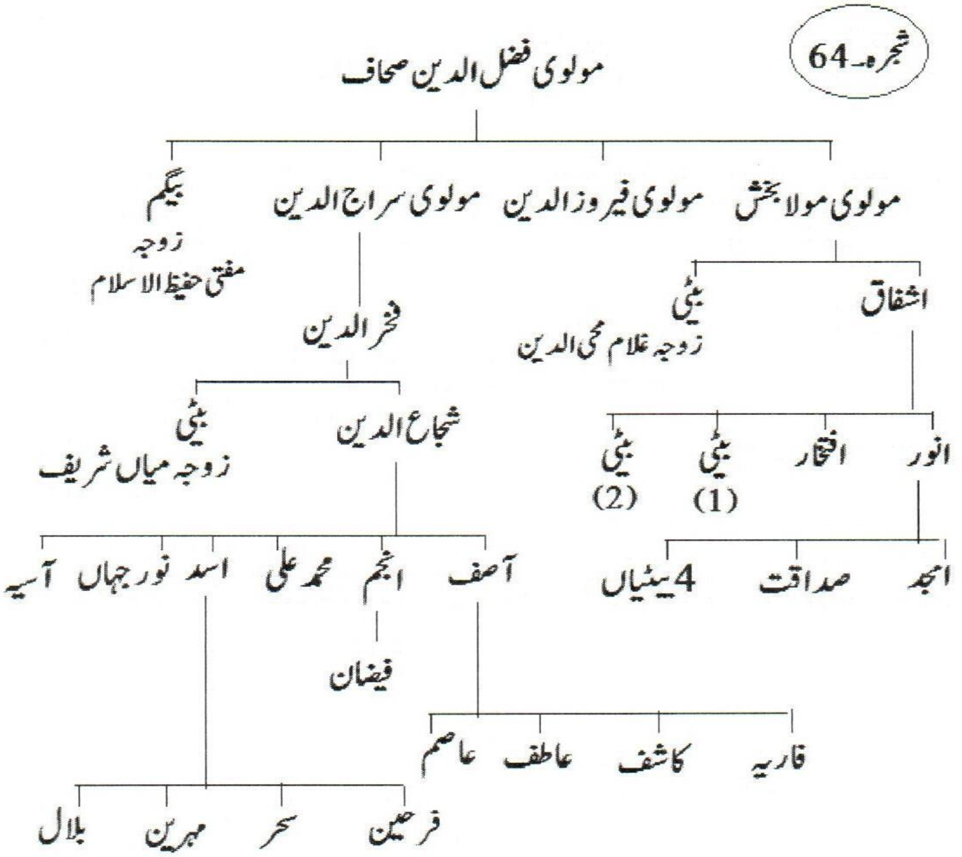


(1) بنت اشفاق بن مولا بخش زوجہ خلیل الرحمن بن شیخ محمد دین

(2) بنت اشفاق بن مولا بخش زوجہ مظفر عثمانی

## مولوی فیروزالدین ولد فضل الدین صحاف بن محمد بخش صحاف

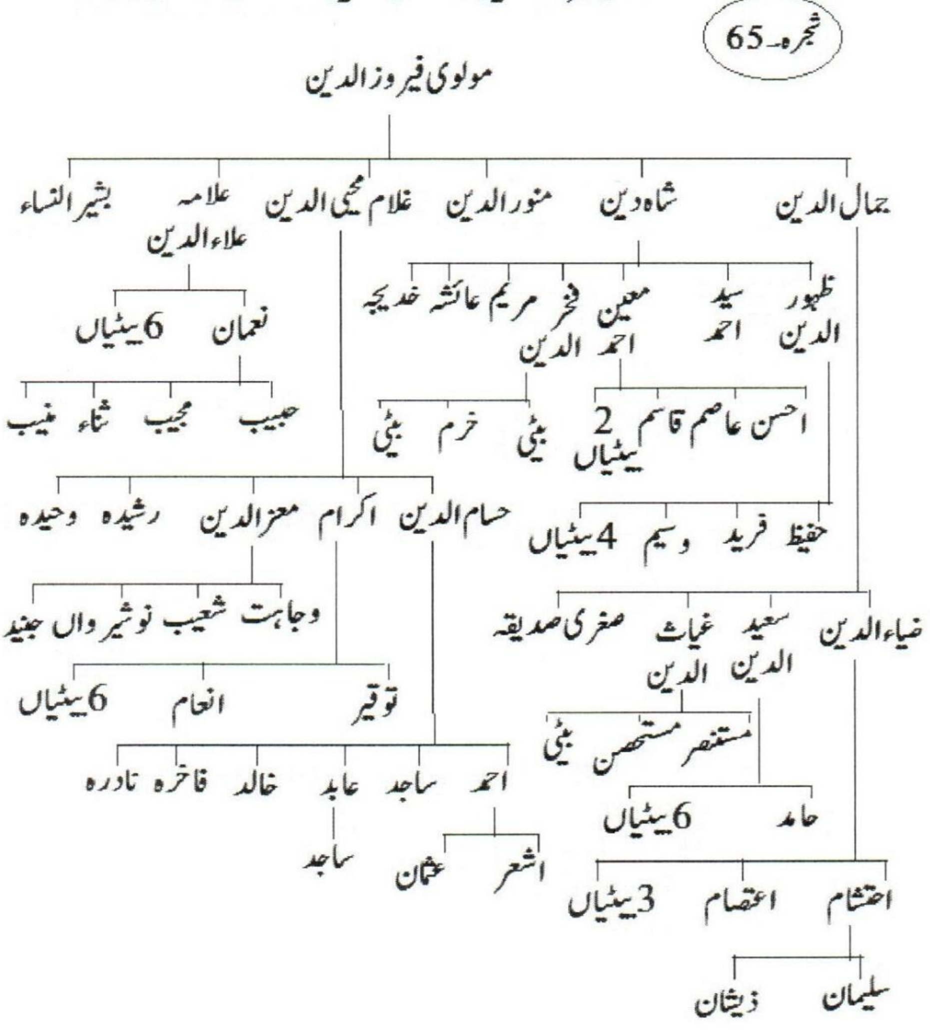


609 | یادگار صدیقی

## حافظ خیر الدین بن محمد بخش صحاف بن حافظ جان محمد

شجرہ۔66

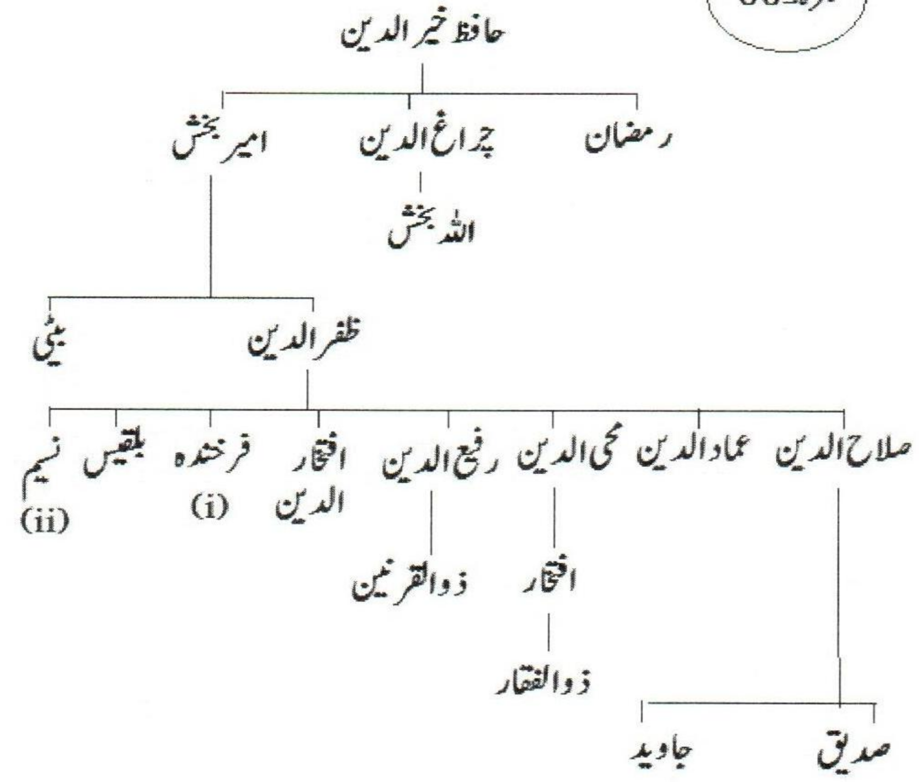


(i) فرخندہ بنت ظفر الدین بن امیر بخش زوجہ پروفیسر ضیاء الدین صدیقی بن جمال الدین صدیقی
(ii) نسیم بنت ظفر الدین بن امیر بخش زوجہ اکرام الدین ولد محی الدین صدیقی

## شجرہ نسب چشتی خاندان لاہور۔1

شجرہ۔67

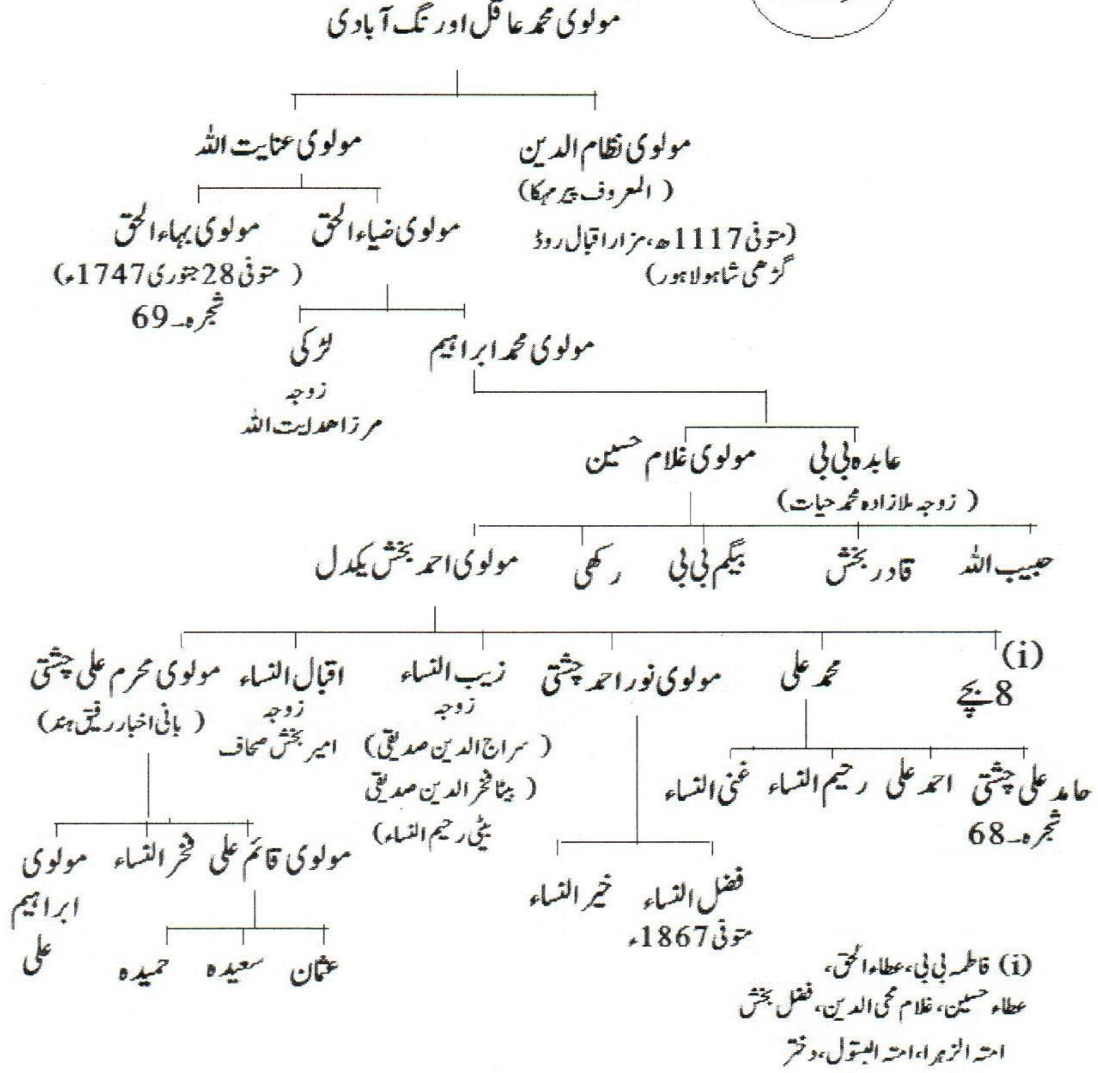


611 یادگار صدیقی

شجرہ۔68

لاہور کے چشتی خاندان کا شجرہ نسب۔2

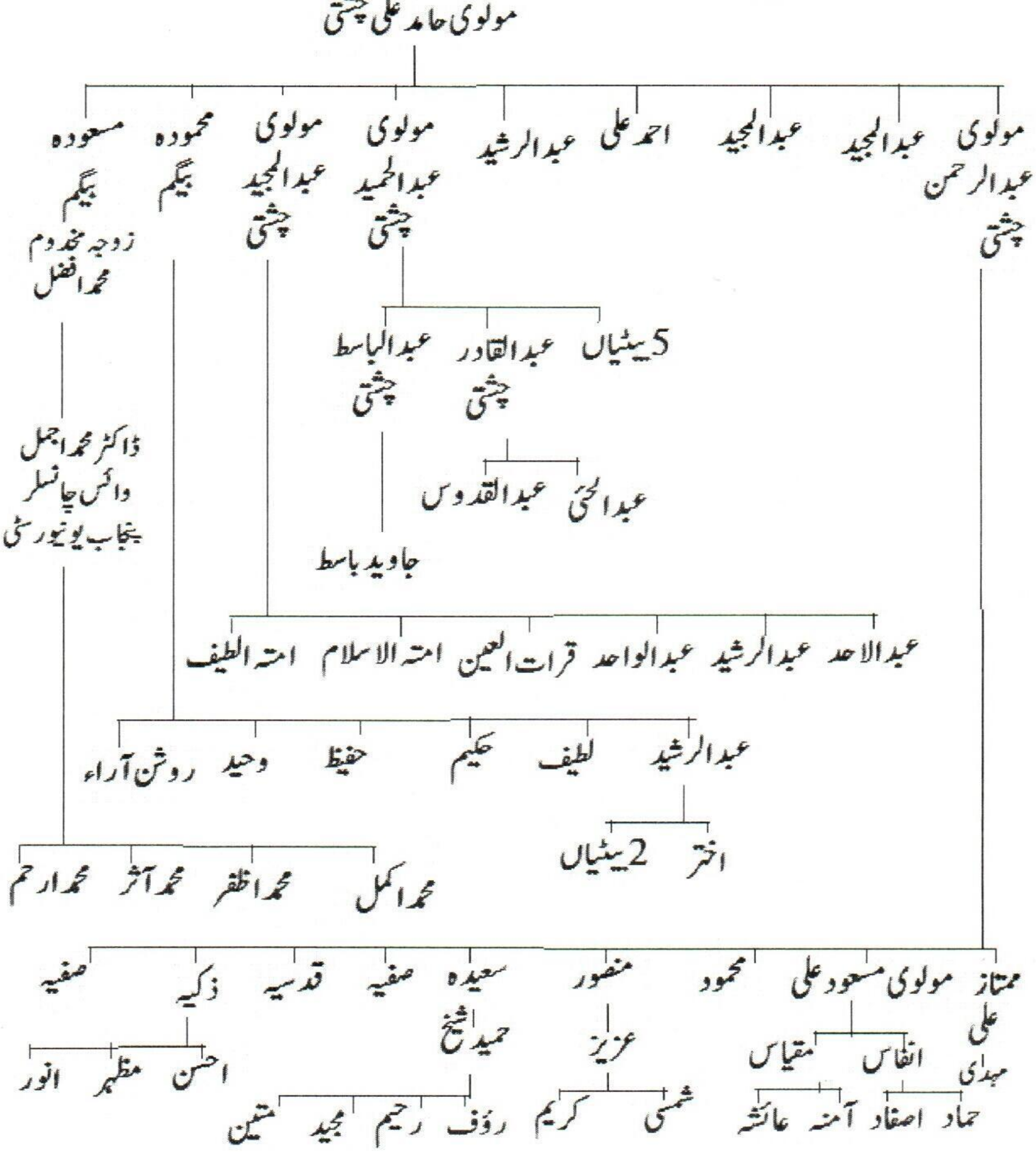

شجرہ۔69

## لاہور کے چشتی خاندان کا شجرہ نسب۔3

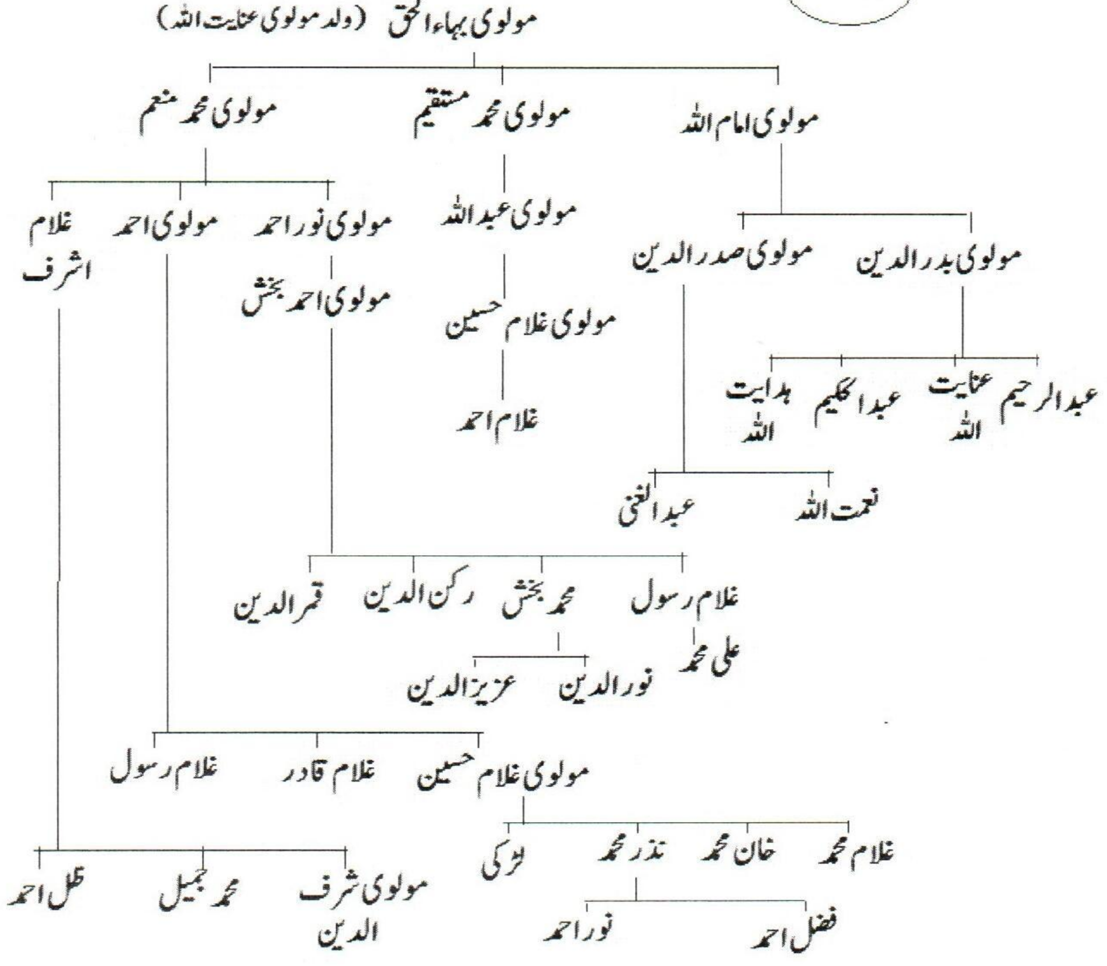


بحوالہ تحقیقات چشتی- مولوی نور احمد چشتی

## شجرہ نسب مفتی خاندان

شجرہ۔70

مفتی یوسف

غلام محمد سادہ کار

مفتی خیر الدین (انکی زوجہ کا نام صاحب جان تھا جو مفتی علی الدین کی والدہ تھیں)

مفتی ابو بکر ( وفات 1265ھ /1849ء)

مفتی علی الدین (i) (وفات 9 ذی الحج 1277ھ/ 18 جون 1816ء) دفن مدرسہ تربتی لاہور

مفتی جلال الدین (ii) (وفات 25 مئی 1897ء)

مفتی حفیظ الاسلام (iii) (وفات 24 ستمبر 1897ء)

(i) مفتی علی الدین مصنف کتاب عبرت نامہ کی شادی محمد بخش صحاف کی بیٹی ایمنہ سے ہوئی تھی

(ii) مفتی جلال الدین 1859ء میں انگریز حکومت نے قاضی لاہور مقرر کیا تھا۔
مفتی جلال الدین کی شادی قاضی مسیح الدین کی بیٹی سے ہوئی جو رنجیت سنگھ کے عہد میں قضاوت کے عہدے پر ممتاز تھے

(iii) مفتی حفیظ الاسلام کی شادی بیگم عرف بیگاں سے ہوئی جو مولوی فضل الدین صحاف بن محمد بخش صحاف کی بیٹی تھیں

نوٹ: محمد بخش صحاف کی دوسری بیٹی فضل النساء زوجہ احمد بخش یکدل کی بیٹی امتہ بتول کی شادی مفتی خاندان میں مفتی امام الدین بن مفتی نظام الدین سے ہوئی
امتہ البتول کی تاریخ وفات 1260ھ/1844ء
مفتی امام الدین کی وفات 11 دسمبر 1892ء
امتہ البتول مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی کی حقیقی بہن تھیں

# لاہور کے حالات

## بعض حکمرانوں، زعماء سلطنت اور عمائدین کا مختصر تعارف جن کا پہلے ذکر آچکا ہے

### سلطان محمد شاہ روشن اختر:

1131ھ تا 1161ھ (1719 - 1748ء) تک حکمران رہے۔ یہ بہادر شاہ اول کے بیٹے جہاں شاہ کے فرزند تھے - سلطان اورنگزیب عالمگیر کی وسیع و عریض اور مظبوط حکومت کے بعد آنے والے مغل حکمران سید بھائیوں کے چنگل میں پھنس گئے تھے جن کی وجہ سے پہ درپہ بادشاہ تبدیل ہوئے۔اس کے بعد محمد شاہ نے سب سے پہلے سید بھائیوں سے جان چھڑائی۔لیکن نادر شاہ افشار کے حملہ سے دکن اور اودھ کے صوبیداروں کے علاوہ مرہٹے، سکھ اور انگریز بھی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی تیاری کرنے لگ گئے۔تمام خزانہ نادر شاہ فشار لوٹ کے لے گیا تھا کہ سلطنت کے پاس فوج کے اخراجات اٹھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔لیکن مغل سلطنت باوجود کمزوریوں کے کروفر سے قائم تھی۔ سلطان محمد شاہ کے حکم سے ہی مدرسہ ابوالحسن تربتی کو اخراجات کیلئے زمین دی گئی تھی جس کے بارے میں تفصیلات کتاب تحقیقات چشتی کے حوالے سے پہلے لکھی جاچکی ہیں۔ یہ تیرھویں مغل بادشاہ تھے۔اور بیسویں اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھے۔ترتیب اسطرح ہے۔

14 -سلطان احمد شاہ بہادر فرزند محمد شاہ 29اپریل1748 - 2جون1754ء- 6سال37دن

15- سلطان عالمگیر ثانی فرزند جہاں شاہ3جون1754ء- 29نومبر1759ء- 5سال6ماہ

16-سلطان شاہجہاں سوئم فرزند محی السنہ 10دسمبر1759 - 10اکتوبر1760ء-ساڑھے نوماہ

17 -سلطان شاہ عالم دوئم فرزند عالمگیر ثانی10اکتوبر1760ء- 31جولائی1788ء- 27سال دس ماہ

18- سلطان جہاں شاہ فرزند احمد شاہ بہادر31جولائی1788ء- 11اکتوبر1788ء- 63دن

17-سلطان شاہ عالم دوئم فرزند عالمگیر ثانی 16اکتوبر1788 - 19نومبر1806ء- 19سال

19 –سلطان اکبر شاہ دوئم فرزند شاہ عالم ثانی 19 نومبر 1806ء– 28 ستمبر 1837ء- 31 سال

20 –سلطان بہادر شاہ ظفر فرزند اکبر شاہ دوئم 28 ستمبر 1837ء– 21 ستمبر 1857ء- 20 سال

**حاکمان لاہور:**

**نواب عبد الصمد خان ابن خواجہ عبد الکریم احرار انصاری :** شاہ عالم بہادر شاہ اول کے عہد (1119ھ تا 1122ھ / 1707ء- 1710ء) کے دوران نوجوان عبد الصمد خان اپنے بزرگ ایشاںؒ کے مزار کی زیارت کے لیے وارد پنجاب ہوئے (خواجہ خاوند محمود المعروف ایشان کا تذکرہ اس کتاب میں دیکھئے) - 1122ھ / 1710ء میں انہوں نے بندہ بیراگی کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ بندہ بیراگی سفاک اور ظالم انسان تھا، مسلم دشمن تھا ۔مسلمان بستیوں کو تباہ و برباد کرتا تھا۔اسے مقابلہ کے بعد 17 دسمبر 1715ء کو گرفتار کیا گیا -بندہ بیراگی کے حالات آگے بیان کئے گئے ہیں-

سلطان محمد شاہ کے زمانے میں حسین خویشگی حاکم قصور کو قتل کیا۔اس کے علاوہ 1133ھ / 1720ء میں کشمیر کے گورنر رہے۔جہاں تک صوبہ لاہور کا تعلق ہے یہاں 1713ء تا 1726ء / 1125-1138ھ تک ناظم رہے۔وفات 26 جولائی 1737ء کو ہوئی اور حضرت ایشاں کے مزار سے متصل اپنے خاندانی احاطہ میں دفن ہوئے–

نواب عبد الصمد خان کے دو فرزند تھے بڑے کا نام ذکریا خان تھا اور وہ باپ سے ناراض ہو کر دہلی چلے گئے اور وہاں محمد شاہ کے دربار سے اپنے نام نظامت لاہور اور اپنے والد کے نام نظامت ملتان کا شاہی فرمان لے کر واپس آئے ۔ ذکریا خان 1726ء / 1138ھ میں صوبہ ملتان کے ناظم رہے اور نواب عبد الصمد کی وفات کے بعد صوبہ ملتان بھی ذکریا خان کو مل گیا۔ ان کی والدہ کا نام بیگم جان تھا جنکے نام پر محلہ بیگم پورہ لاہور میں آباد ہوا۔نواب ذکریا خان جو کہ نواب خان بہادر کے نام سے مشہور تھے کی نظامت لاہور 1726-1745ء تک رہی–وفات یکم جولائی 1745ء اور اپنے والد کے ساتھ احاطہ میں دفن ہوئے–

اس عہد کا سب سے خوفناک واقعہ نادر شاہ فشار کا مغل سلطنت پر حملہ تھا، وہ جلال آباد کے راستہ 12 دسمبر 1837ء کو اٹک اور 8 جنوری 1839ء کو وزیر آباد کے راستہ کرنال پہونچا– مغل افواج کو شکست ہوئی اور نادو شاہ افشار 20 مارچ 1739ء کو دہلی میں داخل ہو گیا– 21 مارچ کو اس نے دہلی میں قتل عام کا حکم جاری کر دیا جس کے نتیجہ لاکھوں بے گناہ عوام کو قتل

کر دیا گیا- تمام دولت لوٹ کر ایران لے گیا جس میں تخت طاؤس اور ہیرے بھی شامل تھے- لاہور میں نواب ذکریا خان کو سالانہ خراج دینے پر مجبور کیا- اس حملہ سے مرکزی مغل سلطنت بہت کمزور ہو گئی، دکن، اودھ کے صوبیدار بھی شیر ہو گئے، سکھوں، مرہٹوں کے علاوہ انگریزوں پر بھی مغلوں کی کمزوریاں عیاں ہو گئیں اور بعد ازاں برصغیر پر اسلامی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنا-

نواب عبدالصمد خان کے دوسرے بیٹے کا نام خواجہ عبداللہ خان تھا۔یہ سلطان محمد شاہ اور سلطان احمد شاہ کے زمانے میں لاہور کے گورنر رہے۔ احمد شاہ ابدالی نے1748ء/ 1161ھ میں پنجاب پر حملہ کیا تو انہیں لاہور میں شکست ہو گئی۔

نواب ذکریا خان کے دو بیٹے تھے ایک حیات اللہ خان جس کو شاہ نواز کا خطاب دے کر بادشاہ نے ملتان کا نواب بنایا تھا ۔نواب شاہ نواز اپنے والد کی زندگی میں جالندھر دوآب کے حاکم تھے - یہ 1745 – 1748ء میں ناظم لاہور رہے- ان کے ہی عہد میں احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر حملہ کیا اور 8 جنوری 1748ء کو شالیمار باغ کے متصل خیمہ زن ہوا- شاہنواز کی افواج کو شکست ہوئی اور احمد شاہ ابدالی 12 جنوری کو بیگم پورہ میں داخل ہو گیا اور لوٹ مار و قتل غارتگری کا حکم دے دیا- تمام زر و جواہر لوٹ لئے اور خلق خدا بے دریغ قتل ہوئی-

دوسرے فرزند نواب یحیٰ خان تھے جنہوں نے اپنی کتاب ' سیرۃ الکاملین' میں حافظ جان محمد کا ذکر کیا ہے- بعض تاریخوں میں تین فرزند یحیی خان، شاہنواز خان اور میر باقی تحریر ہیں-

نواب یحیٰ خان ابن نواب ذکریا خان : 1746 – 1747ء گورنر لاہور رہے۔ ضلع لاہور میں یحیٰ نگر (عرف آیا نگر) انہی کا آباد کردہ ہے ۔انکی شادی نواب قمرالدین وزیراعظم سلطان محمد شاہ کی بیٹی سے ہوئی- انہیں بھائی شاہنواز نے قید کر دیا تھا- جہاں سے یہ فرار ہو گئے- وہ بھائی کے خوف سے حیدر آباد دکن چلے گئے اور ان کی اولاد وہیں آباد ہے۔وفات 1160ھ 1747ء کو ہوئی اور انکے مزار کے بارے میں مؤرخین کے مطابق بیگم پورہ لاہور میں ہے جسے سفید گنبد کہتے ہیں-

## میر منو۔ معین الملک عرف میر منو( نظامت 1748 – 1753ء)

یہ وزیر قمر الدین کے فرزند تھے۔ جب احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر حملہ کیا، بیگم پورہ میں لوٹ مار کی اور حاکم لاہور شاہنواز شکست کھا کر بھاگ نکلے تو ابدالی نے اپنا سکہ جاری کیا اور 19 فروری 1748ء کو ایک سردار جملہ خان کو حاکم لاہور مقرر کر کے دہلی پر حملہ کرنے کو روانہ ہو گیا۔ سرہند کے قریب میر منو نے اسے شکست دی جس کے بعد احمد شاہ ابدالی واپس لاہور آیا اور کابل کی طرف نکل گیا۔ دہلی حکومت کی طرف سے میر منو کو ناظم لاہور مقرر کیا گیا۔ لیکن ابدالی کے حملوں سے سکھوں نے اپنی طاقت بڑھالی اور خالصہ دل کے نام سے فوج بنالی۔ احمد شاہ ابدالی نے دوبارہ حملہ کیا اور شاہنواز نے وزیر آباد کے قریب مقابلہ کیلئے فوجیں اکٹھی کیں۔ صلح کی بات چیت کے بعد ابدالی واپس لوٹ گیا۔ اسکے بعد ابدالی نے دوبارہ حملہ کیا اور دوبارہ بیگم پورہ کے نزدیک ڈیرے لگادئے۔ چار ماہ محاصرہ کئے رکھا اور اس دوران لاہور شہر کے ارد گرد پچاس پچاس میل کا علاقہ تباہ و برباد کر دیا۔ میر منو نے کی فوجوں نے مورچوں سے نکل کر حملہ کیا اور اتنی بہادری سے مقابلہ کیا احمد شاہ ابدالی عش عش کر اٹھا لیکن پسپا ہو کر لاہور کے شاہی قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس طرح صوبہ لاہور، ملتان، پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا قبضہ ہو گیا اور اس نے معین الملک میر منو کو پنجاب کا حاکم مقرر کر دیا۔ جس کے بعد ڈیڑھ سال تک سکھ مسلسل حملہ کرتے رہے۔ 1853ء میں سکھوں نے لاہور کے گرد و نواح میں لوٹ مار شروع کر دی۔ میر منو انکا قلع قمع کر تا رہا کہ اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ اور اسے احاطہ قبور خاندان نواب ناظماں میں دفن کر دیا گیا۔

### بعد کے ادوار میں حاکمان لاہور:

شاما مرہٹہ 1759ء، حاجی کریم داد 1757 – 1759ء، سربلند خان 1759 – 1761ء،

نواب عبداللہ خان: 1761– 1762ء یہ نواب عبدالصمد کا فرزند، نواب ذکریا کا سوتیلا بھائی اور امغلانی بیگم زوجہ میر منو کا ماموں تھا۔ سکھ جسا سنگھ کلال اہلووالیہ نے 22 اکتوبر 1761ء کو لاہور پر حملہ کر دیا۔ نواب عبداللہ کو قتل کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اسکے ساتھ ہی لاہور پر نواب عبدالصمد خان کے خاندان کی حکومت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

کابلی مل: 1763 – 1767ء۔ اس کے عہد میں گائے ذبح کرنے پر سکھوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ قصابوں کے ہاتھ اور ناک کاٹ دئے گئے۔ اس صورتحال کے پیش نظر احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر حملہ کیا اور سکھ شر پسندوں کا قلع قمع کر دیا۔ البتہ ابدالی کی واپسی کے بعد لہنا سنگھ اور گجر سنگھ نے لاہور پر حملہ کر دیا اور کابلی مل کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

دادن خان: 1767 – 1768ء۔سکھ بار بار لاہور پر قبضہ کر لیتے لیکن ابدالی انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیتا۔اس کے بعد سکھوں نے مستقل طور پر صدیوں سے قائم اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیااور تمام پنجاب پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

جساسنگھ کلال: 1753 – 1762ء- 1762ء میں احمد شاہ ابدالی نے حملہ کر کے اسکی حکومت کو ختم کر دیا

لاہور پر مرہٹہ حکومت: 1758 – 1761ء۔

رگھوناتھ راؤ کی حکومت1758 – 1761ء -احمد شاہ ابدالی نے 1761ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو شکست فاش دی۔

لاہور پر افغانوں کی حکومت میں احمد شاہ ابدالی کا عہد مارچ1752 – 1772ء تک رہا۔اسکے علاوہ ارائیں حکومت کا دور 1755 – 1758ء رہا جس کا حکمران آدینہ بیگ تھا۔

سکھوں کے بارہ گروہ یا مثلیں تھیں جنہوں نے علیحدہ علیحدہ مغلوں، مرہٹوں، افغانیوں وغیرہ کا صفایا کر کے اپنی حکومتیں پٹیالہ، نابھ، جیند، کپور تھلہ، تھان، بوڑیہ، پھلکیاں، مالو، گوجرانوالہ، اہلووال اور رام گڑھ میں قائم کر دیں۔ 1798ء میں تیمور شاہ کا بیٹا زمان خان آخری مرتبہ لاہور آیا اور قبضہ کر لیا اس وقت سکھوں میں اتنی طاقت نہیں تھی بلکہ وہ خوفزدہ تھے ۔سکھوں کے بارے میں حکمت عملی طے کی جارہی تھی کہ زمان خان کو اچانک واپس جانا پڑ گیا۔

گوجر سنگھ: 1768 – 1791ء۔لہنگا سنگھ: 1768 – 1798ء سوبھا سنگھ: 1768- 1797ء، صاحب سنگھ: 1791 – 1799ء، چیت سنگھ: 1798 – 1799ء، مہر سنگھ: 1797 – 1799ء۔

## مہاراجہ رنجیت سنگھ : 1799 – 1839ء/ 1213 – 1254ہجری

1798ء میں شاہ زمان بیٹا تیمور شاہ آخری مرتبہ لاہور آیا۔شاہ زمان سے سند حکومت لے کر رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کے لیے ہاتھ پاؤں مارے جولائی1799ء میں لاہور پر حملہ اور قبضہ کیا اور اردگرد کے علاقے اپنی

قلمرو میں شامل کیئے۔ اسکی فتح میں بہت سے مسلمان غداروں نے سازباز کی اور اسے شہر میں گھسنے کیلئے مدد دی-ان سب کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں جنہوں نے بعد میں خلعتیں وصول کیں-اس طرح بھنگی حکومت کا اس نے خاتمہ کردیا-

فقیر خاندان اسی دور میں اپنے عروج کو پہنچا27جون 1839ء/1255ھ کو رنجیت سنگھ کا انتقال ہوا ،بادشاہی مسجد کف عقب میں اسکی چتا جلائی گئی اور وہیں سمادھی بنی- اس نے 40 سال حکومت کی۔

وفات کے وقت اس کی سلطنت کا رقبہ ایک لاکھ چالیس ہزار مربع میل تھا جس کی ایک حد لداخ،سکردو اور تبت سے ٹکراتی تھی اور دوسری خیبر سے چل کر کوہ سلیمان کے پہاڑوں سے ملتی تھی جنوب میں شکار پور سندھ تک پہنچتی تھی اور مشرق میں انگریزوں کے ساتھ دریائے ستلج مقرر ہو چکی تھی۔کوہ نور ہیرے کے علاوہ اس کے خزانے میں کروڑوں روپیہ نقد،بے شمار سونے کی مہریں، 20لاکھ مالیت ہیرے جواہرات موجود تھے۔

کھڑک سنگھ فرزند رنجیت سنگھ: 1839 – 1840ء،اسکے بیٹے نونہال سنگھ (1840ء)نے اپنے باپ کو قید کرکے اقتدار پر قبضہ کرلیا-رانی چند کور1840 – 1841ء بیوہ کھڑک سنگھ-شیر سنگھ 1841 – 1843ء،18جنوری1841ء کو شاہی قلعہ اور شہر پر شیر سنگھ نے قبضہ کرلیا-اسی نے شاہ دوست محمد سے دوستی کا معاہدہ کیا-دلیپ سنگھ: 1843 – 1849ء جو رنجیت سنگھ کا سب سے چھوٹا فرزند تھا-اسکی والدہ رانی جنداں دیگر رانیوں کے ہمراہ ستی نہیں ہوئی تھی-20 فروری1846ء کو انگریزوں نے لاہور پر قبضہ کرلیا انگریزوں نے دلیپ سنگھ اور اسکی والدہ جنداں کو انگلستان بدر کردیا جہاں اس نے عیسائیت اختیار کرلی- مصری عیسائی خاتون سے شادی کرلی جس سے بیٹی بمبا پیدا ہوئی جو لاہور گورا قبرستان میں دفن ہوئی-دلیپ سنگھ اور اسکی والدہ انگلستان میں ہی فوت ہو کر دفن ہوئے-

لاہور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت: 1849 – 1857ء

لاہور پر برطانوی حکومت: 1857 – 1947ء

### امیر افغانستان شاہ دوست محمد:

آپ کی وفات 31ذوالحج 1279ھ /9 جون 1863ء کو ہوئی۔افغانستان میں بارک زئی حکومت کے بانی اور پائندہ خان کے بیسویں فرزند محمود شاہ کے دوسری بار حکومت کے زمانے میں دوست محمد ممتاز عہدوں پر فائز

رہے۔دوست محمد کے بھائی فتح خان بھی محمود شاہ کے زمانے میں وزیر رہے جسے بعد میں اس نے قتل کرا دیا۔ دوست محمد نے کشمیر میں افواج اکٹھی کر کے کشمیر اور کابل پر قبضہ کر لیاشہزادہ سلطان علی کو وہاں کا حکمران بنا دیا۔جس نے کابل اپنے بھائی اعظم کے حوالے کر دیا۔

1823ء/ 1338ھ میں دوست محمد نے محمد اعظم اور وارث تخت حبیب اللہ کو شکست دی۔ لیکن کابل ان کے ایک اور بھائی سلطان محمد خان پشاوری کو ملا۔

1826ء میں دوست محمد کابل میں تخت نشین ہوا۔ 1834ء میں امیر کا لقب اختیار کیا۔ 4 نومبر1839ء کو دوست محمد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ کابل کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔اور شاہ شجاع فرمانروئے کابل بن گیا۔

دوست محمد کے بیٹے اکبر خان نے شاہ شجاع کو قتل کرکے کابل پر قبضہ کر لیا۔نو مبر 1842ء میں دوست محمد کو رہائی ملی اور وہ کابل پہنچا۔دوست محمد نے ارد گرد کے تمام بڑے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے دوست محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شیر علی تخت نشین ہوا۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا)

## نواب غازی خان:

نواب عنایت اللہ خان سفیر کابل کے فرزند کلاں نواب غازی خان کابل سے لاہور آئے تھے۔ غازی خان کے پاس صدہا قبالہ جات اپنی آبائی جائیداد خرید کردو نواب ذکریا خان موجود تھے اکثر مکانات پر اس نے قبضہ بھی کیا۔لیکن کوشش کے باوجود بیگم پورہ لاہور کا قبضہ ان کو نہ مل سکا ۔ لوگ ان کا بہت ادب کرتے تھے وہ ایک سو سال کی عمر پا کر 1247ھ /1856ء میں فوت ہوئے۔ ان کی قبر اپنے آباء نواب ذکریا خان اور عبد الصمد خان کے ایک طرف چبوترہ پر ہے جس پر خواجہ عنایت اللہ،نواب غازی کے بھائی قلندر شاہ خود نواب غازی، اہلیہ نواب غازی خان ودختر نواب غازی خان کی قبور ہیں۔

## خواجہ خاوند محمود حضرت ایشاںؒ

971ھ /1563ء میں بخارا میں پیدا ہوئے ۔ بڑے بزرگ عابد متقی اورزاہد تھے سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق تھا اپنے وقت میں ثانی نہیں رکھتے تھے ۔

مدرسہ سلطانی میں تعلیم حاصل کی ۔علماء میں آپ کا فتویٰ منظور تھا۔ بادشاہ بخارا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ۔ 12 برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا دو سال سمرقند میں رہے وہاں کے حاکم شاہ مرزا نے آپ کی بیعت کی وہاں سے ہرات ، قندہار ہوتے ہوئے کابل آئے۔حاکم کابل استقبال کے لیے 2فرسنگ تک باہر آیا۔اور اعزازو اکرام کے ساتھ ٹھہرایا۔ دوسال رہنے کے بعد کشمیر روانہ ہوئے۔وہاں ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور درس و ہدایت میں مشغول ہوگئے ۔

کشمیر کے شیعہ آپ کے دشمن ہوگئے۔رود کوثر کے مطابق ہندوستان میں شیعہ سنی مناقشات کے بانی آپ تھے جو شیخ سرہندی کے ہم عصر تھے ۔ جب آپ کشمیر تشریف لائے توشیعہ سنی سوال زوروں پر تھا دربار دہلی کی طرف سے نواب خان والی کشمیر تھا وہاں یہی

جھگڑا ہوا تو قاضی نے اہل تشیع کو سزا دہی میں توقف کیا۔اس سے اہل سنت ناراض ہوگئے اور آپ کی سرگردگی میں شہر چھوڑ کر ہفت چنار آ گئے ناظم صوبہ انہیں آ کر منا کرلے گئے ساتھ ہی شیعوں کے خلاف کاروائی بھی کی لیکن ساتھ ہی دربارشاہی میں شکایت بھی کردی چنانچہ دربار بلائے گئے اور ان کے متعلق فیصلہ ہواکہ شاہی لشکر کے ساتھ رہیں اور کشمیر واپس نہ جائیں اس کے بعد آپ مختلف مقامات پر لشکرشاہی کے ساتھ رہے۔اور بالآخر 5 نومبر 1642ء /1052ھ کو لاہور میں وفات پائی اور جی ٹی روڈلاہور میں بیگم پورہ کے متصل، یتیم خانہ دارالفرقان اورانجینئرنگ یونیورسٹی کے متصل آپ کا مزار ہے ۔

تذکرہ حضرت ایشاںؒ میں آپکے بیٹے خواجہ معین الدین نقشبندی کی کتب، کنزالسعادت، مراۃ طیبہ، المرفقتہ القلوب سے حوالے دیئے گئے ہیں جبکہ دیگر تفصیلات اس طرح بیان کی گئی ہیں رسالہ محمودیہ آپ نے 1052ھ میں تحریر کیا اور اس کا ضمیمہ خواجہ محمد بن خواجہ وفائی نقشبندی نے 1126ھ / 1715ء میں تحریر کیا۔ لکھتے ہیں کہ آپ اعلیٰ درجے کے مبلغ و مناظر تھے شیعہ سے کامیاب مباحثے اور مناظرے کئے اور غالب رہے ردشیعت پر

ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔ خطاط بھی تھے اور کشف ال محجوب اپنے ہاتھ سے لکھی جو غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق دارالعلوم دیوبند میں ہے آپ نے چند قرآن پاک بھی نقل کئے۔ایک قلمی نسخہ شاہ عبدالقدوس گنگوھی کے خاندان میں موجود ہے ۔

آپ کے چھ فرزند اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔

(1)خواجہ تاج الدین (2) خواجہ خاوند احمد نے ماوراء النہر میں وفات پائی۔ (3)خواجہ محمد خاوند دکنی (4)خوجہ خاوند معین الدین آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے شاگرد تھے کشمیر میں رہے فتاوی نقشبندیہ کنزالسعادت، کتاب رضوانی ،مراۃ طیبہ / مقامات محمودیہ، مراۃ القلوب ، سید خیر البشر، تفسیر بہ نام تشریح القرآن ،المرفقتہ القلوب تصانیف ہیں (5) خواجہ خاوند قاسم (6) خواجہ بہاؤ الدین کی اولاد میں سے خواجہ کمال الدین کشمیر میں گزرے ہیں جو کہ عالم باعمل اور اپنے آباء کی طرح رد رافضیت میں منفرد تھے آپ کو 1188ھ میں شہید کیا گیا اور مزار سری نگر کشمیر میں ہے ۔ (خواجہ کمال الدین بن نورالدین بن نظام الدین بن شرف الدین بن معین الدین بن خواجہ خاوند محمودؒ)

کتاب" تذکرہ حضرت ایشاں " میں خاندان صدیقی کے بارے میں تقریباً وہی باتیں تحریر ہیں جو تحقیقات چشتی ، تاریخ لاہور اور تاریخ العلماء وغیرہ میں درج ہیں ۔ (صفحہ 48، 87 اور 111)

آپ خواجہ اسحاق کے مرید و خلیفہ تھے جو مخدوم اعظم خواجگی احمد کاشانی بن جلال الدین قلیچ کی اولاد میں سے اور نسباً صدیقی تھے۔خواجہ اسحاق ولی نے 1007ھ میں انتقال کیا اور مزار سمرقند میں ہے آپ کے حالات پر دو کتابیں ضیاء القلوب محمد عوض متوفی 1027ھ اور مقامات شیخ اسحاق دریافت ہو چکی ہیں۔ (صفحہ 53،60 "تذکرہ حضرت ایشاں" اخلاق احمد)

تحقیقات چشتی نے جو تفصیلات حضرت ایشاں کے حوالے سے تحریر کی ہیں ان کے مطابق:

نواب خان بہادر کی عقیدت اور تولیت مزار: نواب خان بہادر مرحوم حضرت ایشان صاحب کا نہایت معتقد تھا۔ تمام فقراء اور علماء لاہور کے یہاں بلائے جاتے تھے اور فاتحہ حضرت کا ہوتا تھا اور فی نفر دو دو نان اور

آدھ سیر حلوہ اور ایک ایک روپیہ نقد ان کو تقسیم ہوتا تھا اور ختم خواجگان نقشبند پڑھوایا جاتا تھا۔ ماسوا اسکے یہاں کئی تسبیح خانے تھے کہ ہمیشہ ان میں عبادت الٰہی ہوتی تھی۔ بعہد سکھاں سب کچھ برباد ہو گیا۔

**حافظ جان محمد صاحب :** مرحوم نواب خان بہادر کی صاحبزادیوں مسمات حیات النساء و لاڈلی بیگم اور صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے نواب صاحب نے بخیال دیانت و پارسائی انکی کے ان کو متولی و مجاور اس خانقاہ کا کیا اور وہی خدمات کرتے رہے۔ بعد ان کے حافظ رحمت اللہ صاحبزادہ حافظ جان محمد کا بدستور اس خدمت پر مامور رہا۔ بعد ان کے میاں محمد بخش صحاف، جو نانا مجھ فقیر کے تھے (یعنی نور احمد چشتی کے) اور تجارت صحف و کتب میں نامی و گرامی تاجر تھے ان کی جگہ بدستور مجاور اس خانقاہ کے رہے۔ بعد ان کے صاحبزادے یعنی راقم (نور احمد چشتی) کے ماموں میاں حافظ بخش و خیر الدین و فضل الدین ہوئے۔

ان میں سے میاں حافظ بخش نے اس مکان کی کئی بار مرمت کرائی اور طاق و تختہ لگوائے۔ بعد وفات حافظ بخش کے فضل الدین و خیر الدین صاحب نے بھی مرمت کرائی بلکہ ایک کوٹھ بھی بنوایا مگر خشت فرشان کشمیری نے نہ چھوڑا۔ وقت بوقت گرا کر لے گئے اور ریذیڈنٹی سرہنری لارنس صاحب بہادر کے جب وہ کشمیر سے خاص اولاد حضرت ایشان ،خواجہ احد خان کو ہمراہ لائے تو اس وقت خواجہ احد صاحب، صاحبزادہ حضرت ایشان کے راقم (نور احمد چشتی) کے ماموں کو ہمراہ لے گئے اور نیز سرہنری لارنس صاحب بہادر مرحوم کو مقام خانقاہ پر لے گئے اور ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ شہنشاہ عالی جاہ ہیں، سرکار کی طرف سے مرمت اس مقبرہ کی کرائیں اور صاحب بہادر نے منظور فرمایا لیکن چونکہ قدرت الٰہی سے خواجہ احد صاحب راستہ ہندوستان میں فوت ہو گئے اور پھر کوئی متحرک اس سلسلے کا نہ رہا اور ہونا مرمت کا ملتوی رہا اور متولیان بھی بسبب کم استطاعتی اپنی کے مرمت نہ کرا سکے۔ اس واسطے یہ مکان غیر آباد پڑا ہے۔ اور عہد نواب عبد الصمد خان صاحب مرحوم سے جد کلاں حافظ محمد بخش صحاف نانائے راقم کو بجلدی خدمت گزاری اس مقبرہ کے دو دھنہ چاہ عنایت ہوئے تھے چنانچہ تا عہد میر منو وہ قابض رہے اور فرمان آج تک ان کے پاس موجود ہے، بعدہ جب عملداری متغیر ہوئی تو ضبط ہو گئے ۔ اب پھر خواجہ نواب غازی مرحوم نے بمہر خود ایک سند لکھ کر ان کو دی جو موجود ہے اور خواجہ احد صاحب بھی تشریف لائے تو انہوں نے

دوبارہ تولیت نامہ اس مقبرہ کا ان کو لکھ کر دیا تھا جو اب خیر دین اور فضل الدین صحاف اپنے پاس رکھتے ہیں۔

(مزید تفصیلات کے لیے نقوش لاہور نمبر صفحہ 319 - 323اور تذکرہ ایشاں از اخلاق احمد ، تاریخ لاہور از کنہیا لال وغیرہ)

سر ہنری لارنس :

الحاق پنجاب کے بعد ایک انتظامی بورڈ قائم کیا گیا جو براہ راست گورنر جنرل کے ماتحت تھا اس بورڈ کے صدر کرنل ہنری لارنس تھے جنہیں بعد ازاں سر کا خطاب دیا گیا ان کے ساتھیوں میں جان لارنس تھے اور تیسرے رکن رابرٹ منٹگمری تھے ۔

1853ء/ 1270ھ میں انتظامی بورڈ نے سرجان لارنس کو پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا اسی کے زمانے میں 1857ء کی جنگ آزادی ہوئی ۔ یکم جنوری 1859ء کو پنجاب میں لیفٹیننٹ گورنر مقرر ہوئے۔اسی سال فروری کے آخر میں سرجان لارنس خرابی صحت کی بناء پر چھٹی پر انگلستان چلے گئے اور سر رابرٹ منٹگمری انکی جگہ مقرر ہوئے ۔

لاہور میں سرزد ہونے والے چند اہم واقعات :

نواب میاں خان ناظم لاہور تھے جو شاہجہاں کے وزیر اعظم سعد اللہ خان کے فرزند تھے – یہ 1700 – 1703ء کا واقعہ ہے–اس نے لاہور موچی دروازہ میں عظیم الشان حویلی تعمیر کرائی تھی، سکھ عہد میں اسے بارود سازی کے کارخانے میں تبدیل کر دیا گیا– اس حویلی میں کئی ہزار من بارود دھماکہ سے پھٹ گیا–جس سے شہر میں زلزلہ جیسی کیفیت پیدا ہوئی دیواریں اور پتھر پانچ پانچ دور جا کر گرے– سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے–رائے بہادر کنہیا لال کے مطابق اس واقعہ کا سال 1864ء ہے–

## فرقہ ورانہ احکام:

لاہور میں پیش آنے والے دیگر واقعات میں اورنگ زیب عالمگیر کا فرزند محمد سلطان معظم شاہ عالم جو بہادر شاہ اول کے نام سے 1707–1712ء تک تخت نشین رہا۔ اپنے تمام بھائیوں کا خاتمہ کرکے وہ 11 اگست 1711ء کو لاہور پہونچا اور آتے ہی علماء اور خطیبوں کو جمعہ کی نماز میں شیعہ خطبہ دینے کے احکامات جاری کردئے۔ جس پر شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ساتھ ہی سارے ملک میں ہنگامہ شروع ہو گئے۔ احمد آباد اور کشمیر کے فسادات میں کئی خطیب ہلاک ہو گئے۔ لاہور میں فقہاء نے خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ علماء نے جرات سے بادشاہ سے مناظرہ کیا جس سے متاثر ہو کر اورنگ زیب عہد کے خطبہ کو پڑھنے کے احکام جاری کردئے۔

## بندہ بیراگی کا فتنہ:

پہلے اس فتنہ کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ لیکن جس نوعیت کا یہ وسیع و عریض فساد تھا اس کے ذکر سے حالیہ تاریخ خالی ہے۔ لہذا چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بندہ بیراگی عرف بندہ سنگھ کا اصل نام لچھمن دیو اور باپ کا نام رام دیو تھا۔ پونچھ کے قصبہ راجوری میں 1670ء میں پیدا ہوا یہ راجپوت تھا۔ یہ پہلے بیراگی ہوا پھر مادھو داس بن کر سادھوؤں کے ساتھ گھومتا رہا۔ دکن میں اسکی ملاقات سکھوں کے آخری گرو گورو گوبند سنگھ سے ہوئی جنہوں نے اسے سکھوں کی راہنمائی کیلئے فرمائش کی۔ بندہ بیراگی ایک سفاک اور ستم گر انسان تھا۔ مسلمانوں کے خلاف دشمنی اس میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ اسے جہاں کہیں مسلمانوں کی بستی نظر آتی اسے تخت و تاراج کر دیتا۔ انسانی خون سے ہاتھ رنگنا عورتوں کی آبروریزی کرنا اور نیزے کی نوک پر اچھالنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ اس نے خالصہ فوج تیار کی اور ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے ساڈھورا، سنام سمانہ اور سرہند کی پامالی کرتا اور لوٹ مار کرتے ہوئے جمنا پار کر کے سہارنپور، گنگوہ، اور نانوتہ کی مسلم آبادیوں کو لوٹا، جالندھر دوآب کے شاداب اور آباد علاقے کو تاراج کیا، بندہ بیراگی کی فوج بستیوں کو فتح کرنے کے بعد بے دریغ لوٹتی، عورتوں کی آبروریزی کرتی یہاں تک کے حاملہ عورتوں کے پیٹ کاٹ کر تڑپتے بچوں کو نکالتے اور انہیں نیزہ کی نوک پر اچھال کر تسکین ان کا مشغلہ بن گیا تھا۔ جبکہ مردوں کو چارہ کی طرح کاٹ دیتے تھے۔

مؤرخین نے اپنی کتابوں 'منتخب اللباب' ، ماثر الامراء، سیر المتاخرین اور غیر مسلم مؤرخین پروفیسر گنڈا سنگھ، بھائی پرمانند اور لالہ دولت رام وغیرہ نے اپنی تصانیف میں بندہ بیراگی کی سفاکیوں کی المناک داستان لکھی ہے۔ یہاں تک کے لاہور

تک آ پہنچا۔شالیمار باغ کے پاس ڈیرے ڈال دئے۔دہلی سے فوری مدد نہیں آئی تو اہل لاہور نے رضاکار فورس بنالی لیکن اسے شکست ہو گئی۔

اس کے بعد نواب عبدالصمد خان جن کا ذکر پہلے ہوا ہے وہ نواب ذکریا خان کے والد تھے ان کا عہد 1713 – 1737ء تھا۔یہ 22 فروری 1713ء کو لاہور کی نظامت کے جلیل القدر عہدہ پر فائز ہوئے۔ لوگ بے سروسامانی کی حالت میں لاہور آنے لگ گئے۔علماء نے بندہ بیراگی کے خلاف جہاد کا فتوادے دیا۔اس نے ساڈھورے کے پاس ایک قلعہ تعمیر کرایا ۔بالآخر نواب عبدالصمد خان نے اس کے ساڑھے تین ہزار کے قریب ساتھیوں کو شکست دی۔ 17 دسمبر 1715ء کو بندہ بیراگی کو اس کے سینکڑوں ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔اور انہیں دہلی لیجا کر سزائے موت دی گئی۔

خواجہ سعد رفیق کے نام 2022 ء میں بھیجی گئی پیٹیشن جس کا کوئی جواب نہیں آیا اسکے علاوہ سوشل میڈیا پر بھی کئی مرتبہ یاددہانی کرائی گئی۔وزیر اعلی پنجاب محترمہ مریم نواز شریف کی توجہ بھی مبذول کرانے کی کوشش کی گئی تھی۔لیکن افسوس کوئی جواب نہیں آیا۔

## *Petition to Khawaja Saad Rafique*

September 02, 2022

**Khawaja Saad Rafiq**

**Minister of Railways**

**Islamic Republic of Pakistan**

**Islamabad – Pakistan**

**Respected Sir,**

**Reference online appeal sent by email dated: August 14, 2022**

**I would like to draw your kind attention to horrifying occurrence of the sacrilegious and heretical nature that took place in a 500 years old grave yard situated at Wheat man Road, Mughalpura, Lahore and therefore appeal to your honor for the investigation of the crime and arrest of the culprits. Kindly issue orders for the immediate restoration of the graves that have been demolished in horrific criminal, irreligious and immoral manner.**

**Applicant is an overseas Pakistani and as usual travelled to offer 'Fateha' on the graves of ancestors while visiting Lahore in May-Jun 2022, sadly it shocked to notice that an illegal tomb**

**was built on the grave of 'Sheikh Qari Hamid' RA who died in 1166 Hijri and as a result of that graves of my ancestors were eliminated. Most of the graves were damaged, smashed, eradicated and all the signs and epitaphs were missing or disappeared. Even the grave of Hazrat Hafiz Jan Muhammad RA died in 1199 Hijri and who succeeded him as principal of 'Mudersah Abul Hasan Turbati' found demolished.**

**Since hundreds of years my ancestors stand guard for the premises even in Sikh era when circumstances were very hard on Muslims and the 'Mudersah Abul Hasan Turbati' was exploded when it was converted as depot of the explosives.**

**All above affairs traumatized disturbed and put entire family in shock, who can't sleep in normal manner. The history of site is documented in two books.**

**1. 'Ansab Siddiqui' published in 1995 and 2. 'Yadgar e Siddiqui' published in 2021 compiled and authored by applicant.**

**Among one of my ancestors 'Moulvi Noor Ahmad Chishti' documented even minor details of this site, names of buried persons of the family at this place in his book which is acknowledged as encyclopedia of Lahore 'Tehqiqat Chishti' published in 1864 AD. A list of some famous reference books is given below at the end of this application.**

**Fitna (sedition) of this century has been shaped فتنہ A great and might be cause of a greater conflict and unrest among the society. A mischievous Railway employee Mr. M Ismail with the support of his bunch of criminals has built the tomb on the graves of the saints, academics, scholars and renowned historical figures. And each of above figure buried at this grave yard is individually ancestors of the large branches of our family spread over at local, national and international level and applicant is one of them.**

**Moreover they occupied the 1141 Hijri's historical archeological Mosque built in the premises and its wide**

**ranging reference exists in many Urdu and Arabic books as well and now this mosque is in total control of vagabonds who have expelled the real heirs of the grave yard by means of harassment and some peoples told that real custodians were beaten badly and keys of the gate were snatched forcibly.**

**It is significant to point out that 'Siddiqui Qureshi' family are the real custodian of this place and are care taker of this grave yard since centuries where many sacred personalities are buried since Moghul, Sikh, British era and care taker status continued after the existence of Islamic Republic of Pakistan. It is not a public burial place.**

**It is assumed that self righteous occupiers want to convert this aged sacred site into a business centre, financial earnings hub and impose some kind of sectarian agenda on the name of religion, could be a hide out for fanatics.**

**The location of the revered grave yard is at Wheat man Road, Mughal pura, Lahore and during British era, when Railway Loco shop was built at that time secure access to this site was granted by then British Government. Other majority of historical buildings and tombs were destroyed in Sikh era; these two historical archeological sites are the only survivors of the glory of the Muslim rule at this place, while many other ruined monuments were included in Railway workshops and Railway Stores. Sanctity of these sites was acknowledged and high brick walls were built and overhead passage was secured by flat steel strips throughout approximately one kilometer passage.**

**There were a lot of unknown and outsider peoples were noticed on the place during my visit and on enquiry they told that a Railway employee M Ismail who was a Construction Manager saw a nightmare and as such jumped to destroy existing graves and built a tomb on the grave of Hazrat Sheikh Hamid Qari RA.**

**Mr. M Ismail who is currently posted at Railway Headquarter Lahore since June 2021 has organized a group of some retired**

**Railway employees, some vagabonds and some peoples of different areas who are receiving money from superstitious public and also handed over the historical Mosque inside grave yard to a religious political group. During observing Jumna prayers the new appointed Imam praised a deceased political leader.**

**The history of this archeological site is well known and well documented in all famous books (list of some of books is given below). The ancestors buried here are also documented in history books whose graves have been destroyed in sacrilegious manner. It is a national loss as many research thesis and scholarly books are published on the subject.**

**This site is continuity of famous "Mudersah Abul Hasan Turbati" founded in 1051 H/ 1641 AD whose first principal was Sheikh Hamid Qari (died 1166 H) and later my great grandfather Hafiz Jan Muhammad (died 1199 H/ 1758 AD) both buried here. After that his son Hafiz Rehmat ullah became principal of the Maddersah (Refer Naqoosh Lahore Number) but in Sikh era original Mudersah was exploded according to history. Mudersah was made storehouse of explosives by General Avi Table and Bhoop Singh, and at some point in the time of Sher Singh explosives were exploded and entire Madersah was smashed and ruined.**

**The current site that has a mosque and entire site was preserved by my ancestors with blood and sweat, maintained by dozens of trees and flowers. It has 500 years old banyan tree as well that has many stories famous in public and published in newspapers. It became burial site of my ancestors and since 500 years keys of its main entrance gate remained in custody of our family.**

**There was no existence of any kind of "Piri Muridee" type customs and graves were kept according to Shariah permitted by Holy Prophet (PBUH). There are dozens of graves of my family; no outsider was allowed to use this graveyard. The sanctity of saints buried here was maintained since 500 years,**

**unfortunately the said person M Ismail a Railway employee is trying to occupy the graveyard and converting it to gain financial benefits with the help of his bunch of criminals and religious fanatics currently seen moving on the site.**

**Following graves have been demolished that were around the grave of 'Sheikh Qarl Hamid (RA)' on a concrete platform and all of those graves were there very well exists about two years back. Now a tomb has been built on the grave of 'Sheikh Hamid Qari' and all the graves on the concrete plate form have been cruelly eliminated, inside the newly built building marks of graves still exists.**

**Grave of Hafiz Jan Muhammad (RA) on the right side of the grave of Sh Qari Hamid (RA) has been demolished. A saint of the time and praised by Nawab Yahya Khan the son of Nawab Zikria Khan in his book 'Seerat e Kamlin' and other famous books**

**Grave of Hafiz Rehmat ullah (RA) still exists outside newly built building in deplorable condition. Mohallah Rahmat ullah in walled city Lahore is on his name**

**Grave of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf (RA) bearing title of 'Malik us Sahaf' on the left side of the grave of Sh Hamid Qari (RA) demolished Who was grandfather of Molvi Noor Ahmad Chishti (Author of the famous book 'Tehqiqat Chishti') and Mufti Ali ud Din (Author of book 'Ibrat Nama' 1270 H) was his son in law.**

**Grave of Wife of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf (RA) demolished**

**Grave of Brother of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf (RA) demolished**

**Grave of Ahmad Bakhsh son of Hafiz Rehmat ullah (RA) is demolished that was also on concrete platform**

**Grave of Ahmad Bakhsh son of Hafiz Rehmat ullah (RA) is also demolished that was on concrete platform**

**Grave of Hafiz Bakhsh (RA) son of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf is (RA) also demolished that was on concrete plate form. Who was also custodian of Mudersah and Mausoleum of Hazrat Khawaja Khawind Mahmood Eishan currently inside Engineering University Lahore.**

**Grave of Wife of Hafiz Bakhsh (RA) demolished**

**Graves of all the descendents of Hafiz Bakhsh (RA) son of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf (RA) are also demolished**

**Grave of Mufti Ali ud Din (RA) the son in law of Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf and ancestor of the famous 'Mufti family' clan of Lahore is also demolished. Check the lists his descendants who were official Muftis of Lahore.**

**Graves of descendents of Mufti Ali ud Din (RA), his sister, sister's son, servants who were also buried here are no more**

**Grave of daughter of Chiragh Din bin Khair ud Din bin Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf (RA)**

**Grave of Jamal ud Din Siddiqui son of Feroez ud Din Siddiqui is no more visible now**

**All above graves were documented in the book and famous encyclopedia of Lahore "Tehqiqat Chishti", Book 'Ansab Siddiqui', and Book 'Yadgar Siddiqui'.**

**Some prominent persons to whom I was able to meet at the site and who told them about the illegal sacrilegious actions of Mr. M Ismail are as under:**

**Muhammad Akram, Railway Waheed Colony, Block 28, Quarter Number 10, Mughalpura Post office Lahore. Phone # 0305 4829 535**

**Ch Umar Iqbal, Advocate 1 Turner Road Lahore. Phone # 0323 4851 590**

**While a number of photographs taken in 2021 are included with the petition.**

**It is humbly requested that culprits may please be brought to justice and orders for restoration of demolished graves may please be issued.**

**Since I am currently residing overseas and in case of any enquiry I may be contacted by email mans.cliff@gmail.com**

**Sincerely**

**Mansoor A Siddiqui**

**Contact email: mans.cliff@gmail.com**

**Book References: Tehqiqat Chishti published in 1864 AD and other book Yadgar Chishti by Noor Ahmed Chishti. Naqoosh Lahore Number, Maarif Azam Girh January 1945, Ansab Siddiqui 1995 and Yadgar Siddiqui 2021 by Mansoor Ahmed Siddiqui, Mirat ul Ansab 1917 by Zia ud Din Alvi, Tazkara Ulma o Mashaikh, 1920 Nizam Lahore Jan 1920, Madina tul Aulia, Punjab Mughlon kay Aihd Zawal main, Tarikh Jalila, Lahore kay Aulia e Suharward, Al Kitabat al Asria al Baqia ala Amair madina Lahore (Arabic). History published by Muhammad Din Fouq.**

**(Pictures of the damaged and destroyed graves were enclosed)**

**Transfer and postings**

**Our Correspondent**
**Sunday, May 08, 2022**

**LAHORE: Pakistan Railways on Saturday has issued orders of transfer and postings of officials of Grade-19 and 18.**

**According to a notification, Tariq Latif, officer of Grade-19, has been deputed to work as director to the Secretary/Chairman Railways, Works Manager Rehabilitation Mughalpura Qasim Mastoi to Joint Director Mechanical Pakistan Railway Academy Walton, Senior Mechanical Officer Power Headquarters Abu Bakar Farooq Bhatti to Deputy Chief Mechanical Engineer Development Railway, Works Manager Construction Railway Mughalpura M Ismail has been posted as Deputy Chief Mechanical Engineer/Carriage Pakistan Railways Headquarters Lahore.**

**https://e.thenews.com.pk/detail?id=85046**

یہ تصویر لٹن روڈ پر واقع میانی صاحب، مزنگ، جناز گاہ لاہور میں ہمارے خاندانی قبرستان کے احاطہ کی دیوار کی ہے جیسا پہلے بیان کیا ہے کہ اس میں ایک قدیم مسجد تھی جسکی صرف قبلہ والی دیوار سلامت ہے اور اسی طرف سے ترتیب وار قبور دو متصل حصوں میں ہیں–ایک حصہ تقریبا تین فیٹ اونچائی پر ہے، اس احاطہ میں میرے دادا بشیر احمد صدیقی اور انکے تینوں بھائیوں، بہن، انکی اولادوں، چشتی خاندان جن میں عبد القادر چشتی، عبد الباسط چشتی، بیگم انور بنت بشیر احمد صدیقی وغیرہ کی قبور ہیں، اس پر ایک پیر جناں والی سرکار نے قبضہ کی کوشش کی، بتایا گیا کہ انہیں خواب میں بشارت ہوئی تھی اور وہاں ایک قبر دریافت کرلی اور اس پر چادریں ڈال دیں، دیواروں پر یہ اشتہار پینٹ کر دیا– یہاں کئی مسٹنڈے بٹھادئے ہیں، قبضہ بروقت ناکام بنادیا گیا– اور بھی کئی تصویریں موجود ہیں– 2022ء

# کتابیات


5. انساب صدیقی۔ منصور احمد صدیقی۔ سن رائز پبلیکیشنز، راولپنڈی۔1995ء
6. اولیائے لاہور ۔ محمد لطیف ملک
7. ارمغان علامہ علاء الدین صدیقی–جمیلہ شوکت–پنجاب یونیورسٹی لاہور
8. بزرگان لاہور–غلام دستگیر نامی–مکتبہ المدینہ سبزی منڈی کراچی
9. پنجاب مغلوں کے عہد زوال میں ، عزیز احمد چوھدری۔ جولائی 1980
10. تاریخ جلیلہ۔ غلام دستگیر نامی ، الخلد، مریدکے، ضلع شیخوپورہ 2008ء
11. تاریخ حاکمان لاہور۔ راؤ جاوید اقبال لاہور
12. تاریخ مخزن پنجاب لاہور ۔ مفتی غلام سرور، مکتبہ نبویہ لاہور
13. تاریخ مشائخ پاک وہند۔ محمد اقبال مجددی، پروگریسو بکس لاہور 2013ء
14. تاریخ لاہور۔ رائے بہادر کنہیا لال ، 1884ء وکٹوریہ پریس لاہور
15. تاریخ لاہور–کنہیالال ہندی– مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور 2019ء
16. تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور۔ اقبال احمد فاروقی۔ مکتبہ نبویہ لاہور 1987ء
17. تذکرہ العلماء المشائخ ۔ محمد الدین فوق، 1920ء گلزار محمدی سٹیم پریس۔ لاہور
18. تذکرہ حضرت ایشاںؒ 965–1052ھ، میاں اخلاق احمد شادباغ لاہور 1977ء
19. تذکرہ صوفیائے پنجاب ۔ اعجاز الحق قدوسی، سلمان اکیڈمی کراچی، 1996ء
20. تحقیقات چشتی ۔ مولوی نور احمد چشتی۔ طبع 1864ء/ 1281ھ ۔ متوفی 1868ء
21. حدیقتہ اولیاء۔ مفتی غلام سرور لاہوری، متوفی 1890ء تصوف فاؤنڈیشن لاہور 2000ء
22. خزینتہ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور۔ مکتبہ نبویہ لاہور 1994ء
23. خفتگان خاک لاہور–پروفیسر محمد اسلم–ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، مارچ 1993ء
24. فہرست مخطوطات شفیع، ڈاکٹر محمد بشیر، انتشارات دانشگاہ پنجاب، دسمبر 1972ء
25. لاہور کے علمائے سہرورد ، (تاریخی جائزہ) محمد دین کلیم، مکتبہ تاریخ، لاہور 1965 ء

26. لاہور کے علمائے سہر ورد، محمد دین کلیم،لاہور1997ء

27. لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات، گوھر نوشاہی، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی 1993ء

28. لاہور گائیڈ، بزم اردو، لاہور، 1909ء

29. لاہور میں اسلام کے سفیر–ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، الفیصل اردو بازار لاہور، 2000ء

30. مجلہ معارف اعظم گڑھ– جنوری1945ء

31. ماہنامہ نظام لاہور جنوری 1920ء / 1338ھ، محمد دین فوق، (نظام دکن کی یاد میں جاری ہو ا)

32. مدینتہ الاولیاء ، محمد دین کلیم قادری، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

33. مراۃ الانساب ۔ضیاء الدین احمد علوی۔ سن تصنیف1917ء جے پور اور الرحیم اکیڈمی کراچی2004 ء

34. نقوش لاہور نمبر، عہد غزنوی1014ء سے 1961ء تک

35. یاد گار چشتی ۔مولوی نور احمد چشتی، مرتبہ گوہر نوشاہی، مجلس ترقی ادب لاہور 1975ء

36. الکتابات الاثریہ الباقیہ علی عمائر مدینہ لاہور فی العصر مغولی الہندی– محمد علی حفیظ

37. یاد گار صدیقی– منصور احمد صدیقی–معارف ادب اسلامی لاہور– ستمبر 2021ء

## رسائل واخبارات

ہفت روزہ تصور پاکستان یکم اکتوبر 1993ء،(روزنامہ پاکستان) لاہور

پاکستان ریلوے ورکشاپس– پاکستان ریلوے لاہور

## مصنف کے قلم سے دیگر کتابیں

انساب صدیقی ورجال بنی تیم: انساب و اسلامی تاریخ، صفحات329، سن رائز پبلیکیشنز راولپنڈی

لسانی ومذہبی تنازعات: تاریخ، برصغیرپاک و ہند، مردم شماری، فرقہ ورانہ اور لسانی اعدادوشمار، 195 صفحات، کبیر سنز، راولپنڈی

برطانوی برصغیرپاک و ہند1948تک: تاریخ، پاک وہند کے تمام شعبوں کے اعدادوشمار، مردم شماری اور گزیٹر کا موازنہ، 573 صفحات، مکتبہ تنویر القرآن، اردوبازار لاہور

مالیر کوٹلہ تاریخ کے آئینہ میں: پنجاب کی ریاست مالیر کوٹلہ کی مختصر تاریخ، 53 صفحات، مکتبہ صحاف راولپنڈی کینٹ

معصوم باتیں معصوم یادیں: خودنوشت سوانح حیات بیگم عزیزاحمد صدیقی، 124 صفحات، مکتبہ صحاف راولپنڈی کینٹ

اسلام کی تشکیل نو پر ایرانی اثرات: اسلام کی پہلے چار سو سال کی تاریخ، صفحات319، مکتبہ صحاف راولپنڈی کینٹ

**Influence of Iranian religious Dogma: History of Iranian Mohadiseen and Sufis in early Islam, 471 pages, Maktaba e Sahaf, Rawalpindi Cantt. Language English**

یادگار صدیقی: صدیقی قریشی قبیلہ کا انسائیکلوپیڈیا، پاکستان اور دنیا بھر میں آباد صدیقی قبائل کا تذکرہ، 912 صفحات،

معارف ادب اسلامی، لاہور

کتابیں حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ کریں

Maarif Adab Islami, Lahore Pakistan

**Phone: +92 314 4274724**

**Whatsapp: +92 314 4274724**

**Email: adbeislami@gmail.com**

Click the link below to order online

**Https://Adbeislami.com/**

**| Adb-e-Islami (adbeislami.com)یادگارِ صدیقیYadgar E Siddique -**

# Saqoot e Sani
# Muddersah Abul Hasan Turbati

## Mughalpura, Lahore,
## Pakistan

**Compiled by**

**Mansoor Ahmed Siddiqui**

Maktaba e Sahaf

**Rawalpindi Cantt:**

**This religious school was established in 1051 AH / 1651 AD during the Mughal Rule in Sub Continent, one of the largest boarding and lodging educational centre under the patronage of Governors of Lahore. During Sikh rule majority of Islamic relics were ruined. Majority of buildings were destroyed, bricks and marbles were taken out. Same happened to Muddersah Abul Hasan Turbati that was closed down.**

**The only sign of this Muddersah was left at that place where its Principals were buried, like Qari Hamid d. 1166 AD, Hafiz Jan Muhammad d. 1199 AH, Hafiz Rehmatullah and others. British Government of India took care of this and a boundary wall and a safe passage was constructed.**

**The last mark of Mudersah Abul Hasan Turbati remained under the care of descendents of Hafiz Jan Muhammad, grandson  Hafiz Muhammad Bakhsh Sahaf d. 1263 AH and his descendents until the PML N Government when Minister of Railways who tried to get hold of the land and when failed, his cronies the employees of Railway took control of the Muddersah and mosque, built a Mausoleum and started to receive donations from public, disgraced and smashed the graves of renowned scholars and sacred personalities.**

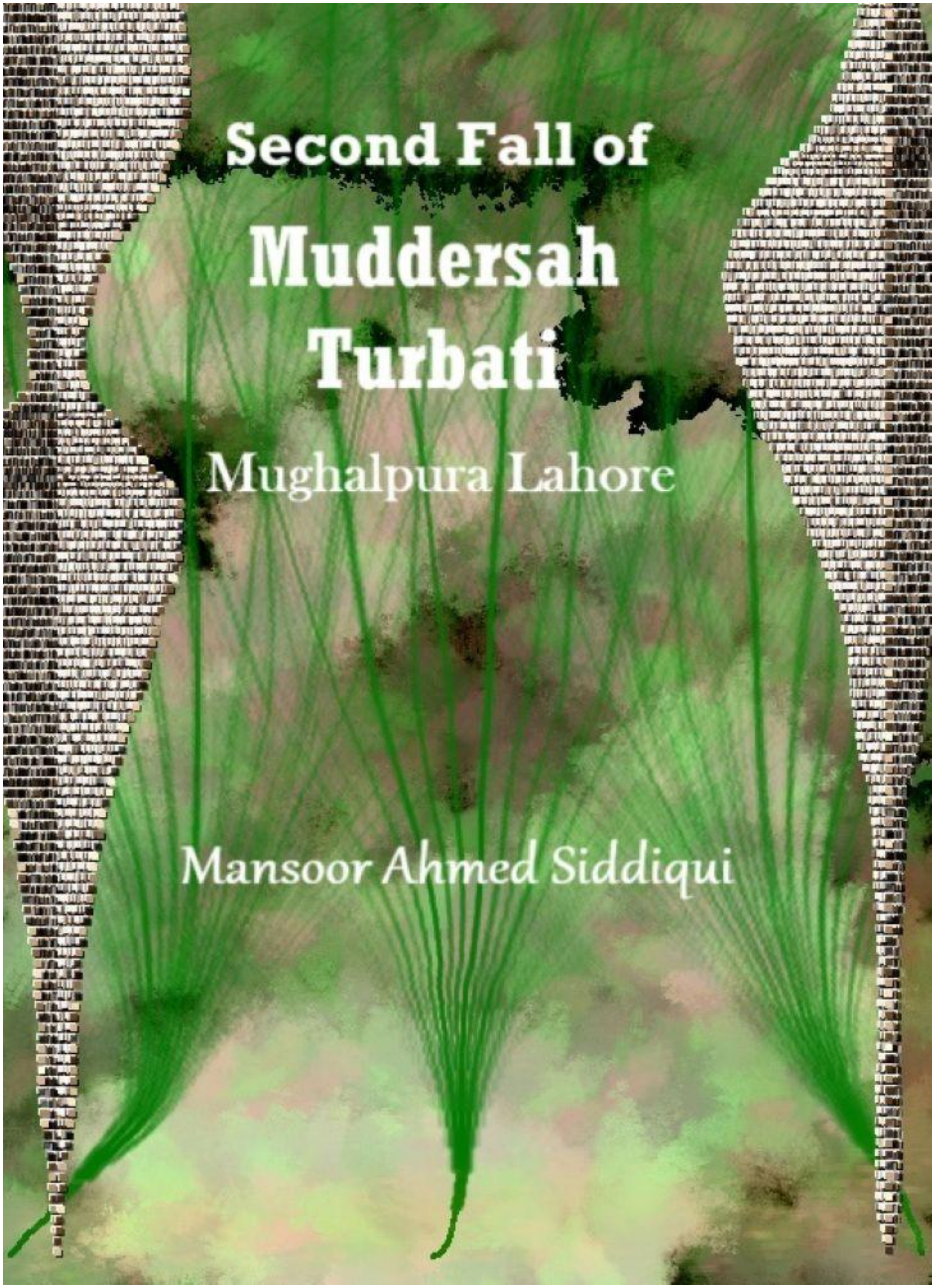
Second Fall of
Muddersah
Turbati
Mughalpura Lahore
Mansoor Ahmed Siddiqui